شعبان، رمضان

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

اپریل 2021

ماہ نامہ

ذوق شوق

کراچی

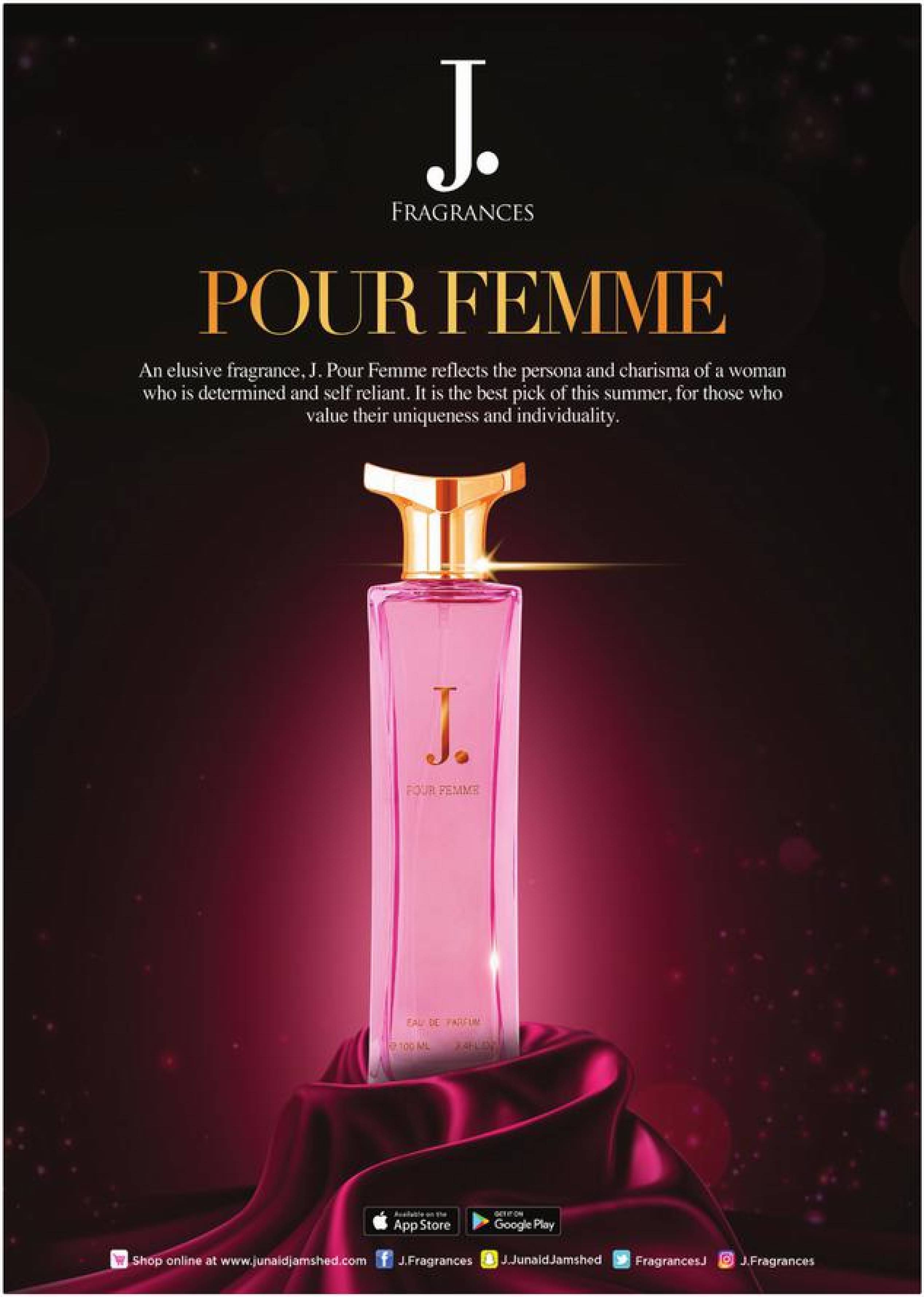
J.
FRAGRANCES
POUR FEMME
An elusive fragrance, J. Pour Femme reflects the persona and charisma of a woman who is determined and self reliant. It is the best pick of this summer, for those who value their uniqueness and individuality.
J.
POUR FEMME
EAU DE PARFUM
Available on the App Store
GET IT ON Google Play
Shop online at www.junaidjamshed.com
J.Fragrances
J.JunaidJamshed
FragrancesJ
J.Fragrances

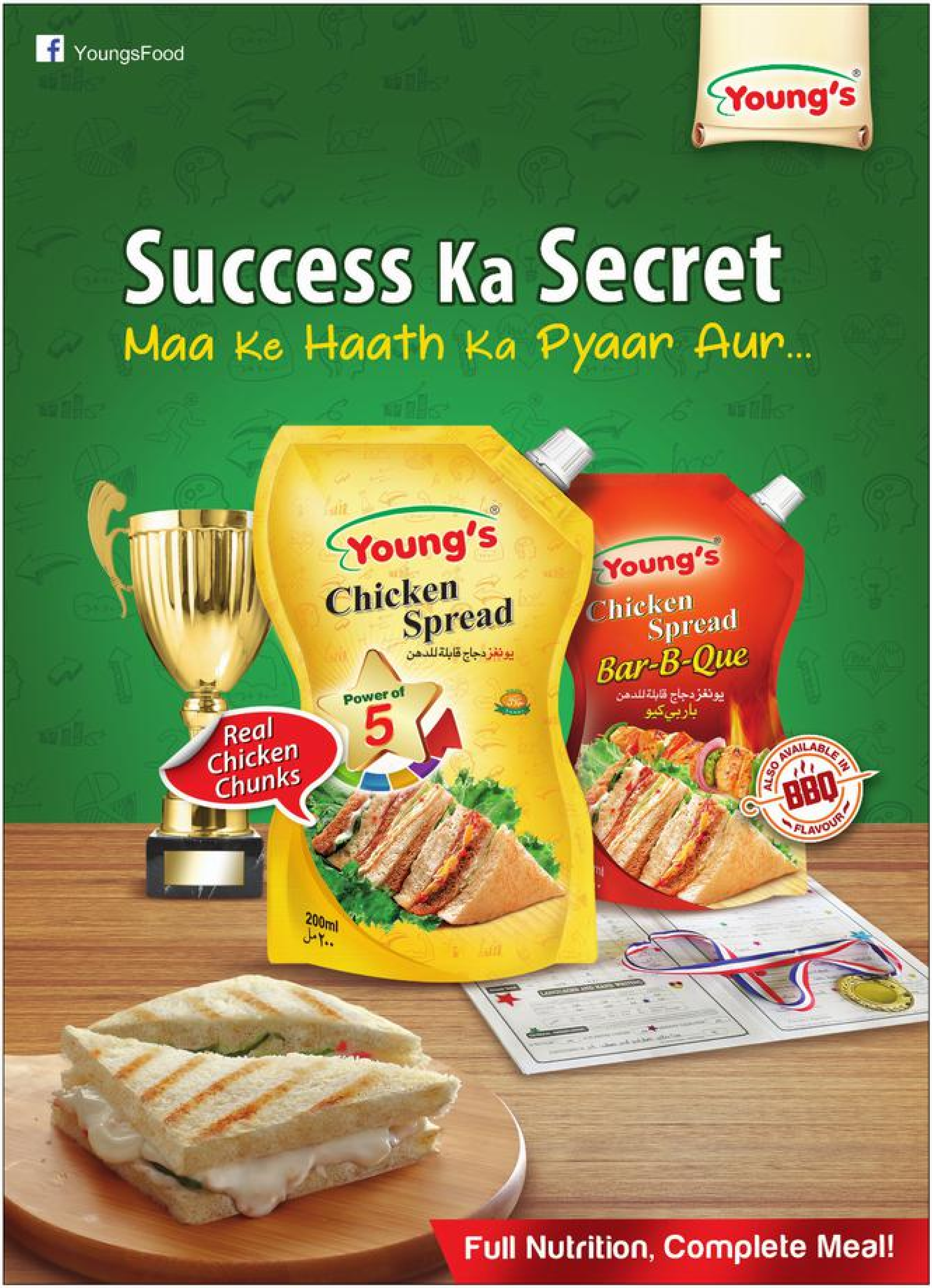
YoungsFood
Young's
Success Ka Secret
Maa Ke Haath Ka Pyaar Aur...
Young's
Chicken Spread
يونغز دجاج قابلة للدهن
Power of 5
Real Chicken Chunks
200ml
٢٠٠ مل
Young's
Chicken Spread
Bar-B-Que
يونغز دجاج قابلة للدهن
باربي كيو
ALSO AVAILABLE IN BBQ FLAVOUR
Full Nutrition, Complete Meal!

Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
IMLI GINGER SAUCE
BAR-B-Q SAUCE
GREEN CHILLI SAUCE
GARLIC CHILLI SAUCE
SHANGRILA KETCHUP AND SAUCES
TASTY!
DELICIOUS!
KHAANON KAY MUST HAVES!
Shangrila
TOMATO KETCHUP
Tantalize your taste buds
SMART PACK
TOMATO KETCHUP
www.shangrila.com.pk
shangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

پیغامِ الٰہی جل جلالہٗ

عبدالعزیز

(مفہوم آیات: 84، تا86، از سورہ بقرہ)

”اور (اے موجودہ یہودیو! وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے تم سے یہ قول وقرار بھی لیا کہ ایک دوسرے کا خون مت بہانا اور ایک دوسرے کو گھروں سے مت نکالنا، پھر تم نے اقرار بھی کرلیا، تم اس پر گواہی بھی دیتے ہو، پھر (اس واضح اقرار کے بعد) تم وہ لوگ ہو جو آپس میں قتل وقتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو اُن کے گھروں سے بھی نکالتے ہو (اس طور پر کہ) ان اپنے لوگوں کے مقابلے میں گناہ اور ظلم کے ساتھ (ان کی مخالف قوموں کی) مدد کرتے ہو (سو ان دونوں حکموں، یعنی قتل نہ کرنے اور گھروں سے نہ نکالنے کو تو نہ مانا اور ایک تیسرا حکم جو آسان سمجھا، اس پر عمل کرنے کو تیار رہتے ہو کہ) اگر اُن لوگوں میں سے کوئی گرفتار ہو کر تم تک پہنچ جاتا ہے تو ایسے لوگوں کو کچھ خرچ کرکے رہا کرا دیتے ہو، حال آں کہ یہ بات کہ ان لوگوں کو گھروں سے نکال دینا (اور قتل کرنا تو اور بھی زیادہ) ممنوع ہے۔

کیا تم کتاب (توریت) کے بعض حکموں پر ایمان رکھتے ہو اور بعض حکموں پر ایمان نہیں رکھتے تو ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے، دنیاوی زندگی میں بے عزتی اور آخرت میں بڑے سخت عذاب میں ڈال دیے جانے کے علاوہ اور کیا سزا ہونی چاہیے اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہے تمھارے ان اعمال سے جو تم کرتے ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ انھوں نے آخرت کے بدلے میں دنیاوی زندگی کو لے لیا، سو نہ تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ کسی (کی طرف سے ان) کی مدد کی جائے گی۔“

عزیز دوستو! مدینہ منورہ میں یمن سے آئے دو بت پرست قبیلوں اوس اور خزرج کی جب آپس میں لڑائی ہوتی تھی تو یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قریظہ، اوس کی اور دوسرا قبیلہ بنی نضیر، خزرج کی مدد کرتا تھا۔ یوں ان یہودیوں کے لوگ مارے بھی جاتے تھے اور گھروں سے نکالے بھی جاتے تھے، پھر جب کچھ لوگ قیدی بنا لیے جاتے تو انھیں یہ یہودی رہا بھی کروا دیتے تھے، لہٰذا انھی یہودیوں سے اللہ تعالیٰ یہ ساری بات فرما رہے ہیں۔ ان آیات سے ہمیں بھی یہ سبق ملتا ہے:

۱۔ وعدہ خلافی نہیں کرنی چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں پر عمل کرنا چاہیے، یعنی ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ جو حکم آسان لگے اس پر عمل کرلیں اور جو حکم مشکل لگے اسے چھوڑ دیں۔

۳۔ دنیا کے مزوں کے چکر میں آخرت کو نہیں بھولنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے تمام حکموں کو ماننے اور اُن پر عمل کرنے والا بنائے۔

پیغامِ نبوی ﷺ

راشد علی نواب شاہی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جب بستر پر جاؤ تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حفاظت کرنے والا مسلسل تمھارے ساتھ رہے گا اور کوئی شیطان صبح تک تمھارے پاس نہیں آئے گا۔“

(بخاری، فضائل القرآن، ۲/۷۴۹)

عزیز ساتھیو! جب ہم لوگ رات کو سونے کے لیے لیٹتے ہیں تو حفاظت کی خاطر دروازے بند کرلیتے ہیں، یعنی اندر سے تالا لگا لیتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے محافظ رکھے ہوتے ہیں جو ساری رات گھر کا پہرہ دیتے ہیں اور کچھ لوگوں نے اپنے گھروں کے باہر کیمرے بھی لگائے ہوتے ہیں اور یہ سب حفاظت کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ اپنی حفاظت کے یہ تمام اسباب جتنی ضرورت ہو ضرور اِختیار کرنے چاہییں۔

تاہم ایک حفاظت کا طریقہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بتایا ہے۔ اس طریقے پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو ہماری حفاظت پر لگا دیتے ہیں اور جو محافظ اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں اس کے تو کیا کہنے!

ان شاء اللہ! اس محافظ کے ہوتے ہوئے نہ تو شیطان ہمارا کچھ بگاڑ سکتا ہے، نہ ہی کوئی دوسرا دشمن۔

اس طریقے پر عمل کرنے سے ہم ایک مضبوط حفاظتی حصار میں آجائیں گے۔

دوسرے اسباب اختیار کرنے سے زیادہ ترجیح اور اہمیت اس عمل کو دیجیے اور بلاخوف وخطر چین اور سکون کی نیند لیجیے۔

وہ طریقہ ہے: رات کو سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھنے کا۔

عزیز ساتھیو! عزم کریں کہ آج سے ہم روزانہ سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھیں گے، تاکہ غیبی محافظ کا انتظام ہوجائے۔

ہاں، یہ عمل دوسروں کو بھی بتایئے۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہنامہ

ذوق و شوق

کراچی

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

شعبان، رمضان ۱۴۴۲ ہجری | جلد: 16

شمارہ: 04

ناشر ~~~ محمد عارف رشید

مجلس ادارت

- مدیر ~~~ عبدالعزیز
- معاون ~~~ محمد طلحہ شاہین

مجلس مشاورت

پروفیسر محمد احمد خان صاحب

راشد علی نواب شاہی

سرورق السٹریٹر ~~~ سید ناصر

آرٹسٹ ~~~ قیصر شریف

کمپوزر ~~~ سعد علی

نگران ترسیل ~~~ منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت 70

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک 1000/=

بذریعہ عام ڈاک 750/=

ماہنامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔

خط و کتابت کا پتہ:

ماہنامہ ذوق و شوق پی۔ او۔ بکس 17984 پوسٹ کوڈ 75300 گلشن اقبال، کراچی

Email: zouqshouq@hotmail.com

zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

0213-4990760, 0341-4410118

What's app: 0324-2028753

دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00 دوپہر 2:30 تا 6:00

عنوان	مصنف	صفحہ
سیرت کہانی (۶۲)	عبدالعزیز	06
بلاغرض مدد	ارم فاطمہ	09
مہینوں میں ذی شان ماہ صیام (نظم)	ارسلان اللہ خان	10
کندن	بنت عبدالخالق	11
کارنامہ	ڈاکٹر زاہدہ پروین	13
نیکیوں کا موسم بہار	مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی	16
پہلا روزہ	ڈاکٹر عاصم بھروچہ	18
مسواک	اکبر امین میمن	19
ذوق معلومات (۶۳) (کھیل)	ابو غازی محمد	20
ماسک لے لو	ماہ نور نعیم	24
اللہ کا اشارہ	عبدالباسط ذوالفقار	26
قرآن کوئز ۸ (کھیل)	سعد علی چھیپا	28
دعا کی برکت	قرۃ العین ہاشمی	29
مظلوم کی فتح	عمارہ ملک	31
جھوٹ پکڑا گیا	رانا محمد شاہد	33
کھانا جب بھی کھاناتم (نظم)	بنت محمد یاسین میمن	34
بلاعنوان (۱۶۴)	محمد فیصل علی	35
فیس بک	حافظ محمد اشرف	42
بڑا بول	ڈاکٹر الماس روحی	45
مقابلہ خوش خطی ۵ (کھیل)	اشتراک: البدر اسکول	46
موت کا پھندا	الطاف حسین	47

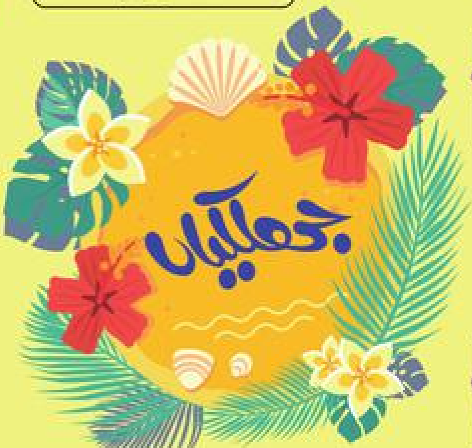

پرنٹر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیم و ترقی و اصلاح کی خاطر احسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

PARADISE BOOKS DISTRIBUTORS

Karachi: J-73, UNIT-1, GROUND FLOOR, OFF ALLAMA IQBAL ROAD, PECHS BLOCK-2, KARACHI. 021-34314981
LAHORE: SIDDIQUE MANAZIL, 2ND FLOOR, 40-ABBOT ROAD, STREET NEON PRINCE , LAHORE. 051-48430042
RAWALPINDI: OFFICE NO 2, FIRST FLOOR, STAR PLAZA, PARADISE HOUSE, RAWALPINDI. 042-3629701

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب بخیر و عافیت ہوں گے۔

ہم ایک دینی مجلس میں شریک تھے۔ مولانا صاحب بہت موثر انداز سے بیان فرما رہے تھے۔ ان کی تمام باتیں ہی دل کو چھو لینے والی اور عمل کے قابل تھیں۔ ان میں سے ایک چھوٹے سے واقعے اور اُس سے حاصل ہونے والے سبق نے ہمیں بہت متاثر کیا۔

ہمارا دل چاہ رہا ہے کہ آپ کو بھی وہ واقعہ سنائیں: دو دوست تھے۔ ایک منفی سوچ رکھتا تھا، جب کہ دوسرا مثبت سوچ کا حامل تھا۔ پہلا دوست اپنی عادت کے مطابق جب بھی کسی چیز میں سے کوئی منفی پہلو نکالتا تو دوسرا دوست اسی میں سے کوئی مثبت پہلو نکال دیتا۔ منفی سوچ رکھنے والا دوست، مثبت سوچ رکھنے والے اپنے دوست کی اس عادت سے بہت دق ہوا کرتا تھا اور ہمیشہ سوچا کرتا تھا کہ کبھی تو ایسا ہوگا کہ میرا دوست کسی چیز میں مثبت پہلو نہ نکال پائے گا۔ ایک دن میں اسے ہرا کر رہوں گا۔

ایک روز یہ دونوں دوست ایک سڑک پر پیدل جا رہے تھے۔ کچھ دور چل کر سڑک کے کنارے انھیں ایک مرا ہوا گدھا دکھائی دیا۔ منفی سوچ رکھنے والے دوست کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ اس نے سوچا کہ اب وہ موقع آگیا ہے کہ جب میں اس گدھے کے حوالے سے منفی پہلو نکالوں گا تو میرا دوست اس میں سے کوئی مثبت پہلو نہ نکال پائے گا اور یوں آج میں جیت جاؤں گا۔

"یہ دیکھو اس گدھے کو، اس میں سے کیسی سڑاند اُٹھ رہی ہے! اور اس کا پیٹ بھی کیسے پھولا ہوا ہے! ایک ٹانگ بھی اٹھی ہوئی ہے! اور تو اور، منہ بھی کس بُری طرح کھلا ہوا ہے!"

منفی سوچ رکھنے والے دوست نے کئی منفی پہلو نکال دیے۔

"لیکن دیکھو، اس کے دانت کیسے چمک رہے ہیں!" مثبت سوچ رکھنے والے دوست نے ایک ہی جملے سے اس کے تمام منفی پہلوؤں پر پانی پھیر دیا۔

تو عزیز قارئین! ہمیں بھی اپنی سوچ کو مثبت بنانا چاہیے۔

کیا خیال ہے آپ کا!؟ اپنانی چاہیے نا مثبت سوچ!؟

عبدالعزیز

سیرت کہانی

۲۳

عبدالعزیز

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا سلسلہ۔

جس طرح نبوت کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی تھی اسی طرح ہجرت کی شروعات بھی سچے خوابوں سے ہوئی، یعنی حضور ﷺ کو سب سے پہلے خواب میں ہجرت کی جگہ دکھلائی گئی، لیکن اس کا نام نہیں بتلایا گیا، بل کہ صرف اتنا دکھلایا گیا کہ آپ ایک کھجوروں والی سرزمین کی طرف ہجرت فرما رہے ہیں، اس لیے آپ ﷺ کو یہ گمان ہوا کہ شاید وہ جگہ یمامہ ہو یا پھر ہجر۔

آپ ﷺ اسی سوچ وفکر میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ وہ جگہ مدینہ منورہ ہے۔

بیعت عقبہ کے مکمل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم سنتے ہی پوشیدہ طور پر ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

سب سے پہلے آپ ﷺ کے دودھ شریک بھائی ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا۔ جب ابوسلمیٰ رضی اللہ عنہ نے اونٹ پر سامان باندھ لیا اور بیوی بچے کو اُس پر سوار بھی کر دیا اس وقت لوگوں کو خبر ہوئی، چناں چہ ان کی بیوی کو (جو کہ ابوسلمہ کے انتقال کے بعد اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا بنیں) ان کے رشتے داروں نے یہ کہہ کر روک لیا کہ ابوسلمہ! تمھیں اپنی ذات کا تو اِختیار ہے، لیکن ام سلمہ کو لے جانے کا اختیار نہیں، ام سلمہ کو ہم تمھارے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔ اسی طرح ابوسلمہ کے رشتے داروں نے ان کے بیٹے کو اُس کی ماں کی گود سے یہ کہہ کر چھین لیا کہ یہ بچہ ہمارے خاندان کا ہے، اسے ہم نہیں جانے دیں گے۔ اس طرح ام سلمہ، ابوسلمہ اور اُن کا بیٹا، تینوں ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔ صرف ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تنہا مدینہ منورہ روانہ ہو سکے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

’’جب صبح ہوتی تو میں اٹھ وادی میں جا کر بیٹھ جاتی اور شام تک روتی رہتی۔ جب اسی طرح سال گزر گیا تو میرے چچازاد بھائیوں میں سے ایک نے مجھ پر رحم کھا کر قبیلے والوں سے کہا کہ کیا تمھیں اس غریب پر رحم نہیں آتا! اس پر میرے قبیلے والوں نے مجھے مدینہ جانے کی اجازت دے دی، میرے سسرالی رشتے داروں نے بھی میرا بیٹا واپس کر دیا۔

میں نے بچے کو گود میں اٹھایا اور اُونٹ پر سوار ہو کر تنہا مدینے کی طرف روانہ ہوگئی۔ جب تنعیم کے مقام پر پہنچی تو ایک صحابی عثمان بن طلحہ ملے۔

مجھے تنہا دیکھ کر پوچھا:

’کہاں جا رہی ہو؟‘

میں نے کہا:

’اپنے شوہر کے پاس مدینے جا رہی ہوں۔‘

پوچھا:

’تمھارے ساتھ کوئی اور نہیں ہے؟‘

میں نے کہا:

’خدا کی قسم! میرے ساتھ کوئی نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے، بس یہ بچہ میرے ساتھ ہے۔‘

یہ سن کر عثمان بن طلحہ کا دل بھر آیا۔ اونٹ کی لگام پکڑ کر آگے آگے ہو لیے۔ جب منزل آتی تو اُونٹ بٹھا کر خود پیچھے ہٹ جاتے۔ جب میں اتر جاتی تو اُونٹ کو دُور لے جاتے اور ایک درخت سے باندھ کر اُسی درخت کے سائے میں لیٹ جاتے اور جب روانگی کا وقت آتا تو اُونٹ کو لاتے اور خود پیچھے ہٹ جاتے اور یہ کہتے کہ سوار ہو جاؤ۔

جب

میں سوار ہو جاتی تو

لگام پکڑ کر آگے چلنے لگتے، پھر

جب کسی منزل پر اُترتے تو ایسا ہی کرتے، یہاں تک کہ ہم مدینے پہنچ گئے۔ جب قبا کے مکانات دور سے نظر آنے لگے تو عثمان بن طلحہ نے کہا:

'اسی بستی میں تمھارے شوہر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اللہ کی برکت کے ساتھ اس بستی میں داخل ہو جاؤ'

یوں مجھے میرے شوہر کے پاس پہنچا کر مکہ واپس ہو گئے۔ خدا کی قسم! میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ کسی کو شریف نہیں پایا۔''

(البدایہ والنہایہ، ج:۳، ص:۱۶۹)

پھر عامر بن ربیعہ ؓ نے اپنی بیوی لیلیٰ بنت خیثمہ کے ساتھ اور پھر احمد بن جحش اور اُن کے بھائی عبداللہ بن جحش ؓ نے اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کی۔

عتبہ اور ابوجہل یہ سب دیکھ رہے تھے کہ لوگ ایک ایک کر کے مکے سے مدینے جا رہے ہیں، مکے کے مکان خالی اور ویران ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر عتبہ کا دل بھر آیا اور اُس نے ایک شعر کہا:

''ہر مکان چاہے وہ کتنا ہی آباد ہو، ایک روز اُسے غم اور ویرانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔'' پھر کہا:

''یہ سب کچھ ہمارے بھتیجے کا کام ہے، جس نے ہمارے درمیان پھوٹ ڈال دی ہے۔''

اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی مرد اور خواتین صحابہ کرام ؓ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، جن میں حضرت عمر ؓ جیسے لوگ بھی تھے۔

ایک صحابی حضرت عیاش بن ابی ربیعہ ؓ، حضرت عمر ؓ کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے تو ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام، دونوں بھائی مدینہ منورہ پہنچے اور جا کر اُن سے کہا:

''تمھاری والدہ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمھیں نہ دیکھ لیں گی اس وقت تک نہ سر میں کنگھی کریں گی اور نہ دھوپ سے سائے میں آئیں گی۔''

یہ سن

کر حضرت عیاش بن ابی ربیعہ ؓ کا دل بھر آیا

اور وہ ابوجہل کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف چل دیے۔ ابوجہل نے راستے ہی میں عیاش ؓ کو باندھ دیا اور مکے لا کر عرصے تک قید رکھا اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتا رہا۔ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے اور اُن کی رہائی کے لیے دعا فرماتے، یہاں تک کہ اللہ نے انھیں نجات دی اور وہ قید سے چھوٹ کر مدینے پہنچ گئے۔

حضرت عمر ؓ کے ساتھ جن دیگر لوگوں نے ہجرت کی ان کے ناموں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ حضرت عمر ؓ کی ہجرت کے بعد تو ہجرت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔ آخر کار آہستہ آہستہ تمام صحابہ کرام ؓ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ مکرمہ میں سوائے چند بے کس مسلمانوں اور حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے کوئی باقی نہ رہا۔

(سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص:۳)

قریش نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان آہستہ آہستہ ہجرت کر کے مدینے چلے گئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ بھی آج کل میں جانے والے ہیں تو قریش کے سردار مشورے کے لیے جمع ہوئے۔ ابلیس بھی ایک بوڑھے کی شکل میں نمودار ہوا اور دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا:

''آپ کون؟'' کہا:

''میں نجد کے علاقے کا ایک شخص ہوں، تمھاری گفتگو سننا چاہتا ہوں۔ اگر ممکن ہوا تو اپنی رائے اور مشورے سے میں تمھاری مدد کروں گا۔'' لوگوں نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی اور گفتگو شروع ہو گئی۔ کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کو کسی بند کوٹھری میں قید کر دیا جائے۔

نجدی شیخ کے حلیے میں موجود ابلیس نے کہا:

''یہ رائے درست نہیں، اس لیے کہ ان کے ساتھی اگر کہیں سن لیں گے تو تم پر حملہ کر دیں گے اور انھیں چھڑا کر لے جائیں گے۔''

کسی نے کہا:

''آپ کو مکے سے نکال دیا جائے۔''

نجدی شیخ نے کہا:

''یہ رائے تو بالکل ہی غلط ہے! کیا تمھیں ان کے کلام کی خوبی، مٹھاس اور دِلوں پر اُس کا اثر معلوم نہیں۔ اگر انھیں یہاں سے نکال دیا گیا تو ممکن ہے کہ دوسرے شہر والے ان کا کلام سن کر اُن پر ایمان لے آئیں اور پھر سب مل کر ہم پر حملہ آور ہوں۔''

ابو جہل نے کہا:

''میری رائے ہے کہ نہ تو اُنھیں قید کیا جائے اور نہ مکے سے نکالا جائے، بل کہ ہر قبیلے میں سے ایک نوجوان منتخب کیا جائے اور پھر سب مل کر ایک ساتھ محمد کو قتل کر ڈالیں (نعوذ باللہ!)۔ اس طرح محمد کا خون تمام قبیلوں میں تقسیم ہو جائے گا اور اُن کے قبیلے کے لوگ تمام قبیلوں سے نہ لڑ سکیں گے۔ مجبوراً خون بہا دینے پر معاملہ ختم ہو جائے گا۔''

نجدی شیخ نے کہا:

''ہاں، خدا کی قسم! رائے تو بس یہی ہے۔''

حاضرین نے بھی اس رائے کو بہت پسند کیا اور یہ بھی طے پایا کہ یہ کام آج رات ہی کو انجام دیا جانا چاہیے۔

ادھر یہ مجلس ختم ہوئی اور اُدھر حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر پہنچ گئے:

''اور یاد کیجیے وہ وقت جب کافر تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا (وطن سے) نکال دیں اور طرح طرح کے فریب کر رہے تھے۔ اللہ بھی تدبیر کرتا ہے اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔''

(سورۂ انفال، آیت: ۳)

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پیغام پہنچایا اور اس دعا کی تلقین بھی کی گئی:

اِجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۝

''اپنی طرف سے مجھے حکومت اور نصرت عطا فرمائیے۔''

(سورہ اسراء، آیت: ۸۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جبرائیل امین علیہ السلام سے پوچھا:

''میرے ساتھ کون ہجرت کرے گا؟'' جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا:

''ابو بکر صدیق۔''

(زرقانی، ج:۱، ص:۲۲۶)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ عین دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا:

''مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! کیا مجھے بھی آپ کے ساتھ جانے کا شرف حاصل ہو سکتا ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔''

(صحیح بخاری)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''اس سے پہلے مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ خوشی کے مارے بھی کوئی روتا ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سے ہجرت کے لیے دو اُونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں، جنھیں چار مہینے سے ببول کے پتے کھلا رہے تھے۔ عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ ان میں سے جسے آپ پسند فرمائیں وہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں بغیر قیمت کے نہ لوں گا۔''

اس اونٹنی کا نام قصواء یا جدعاء تھا اور اُس کی قیمت چار سو درہم تھی۔

بقیہ: نئے لکھاری

ابو: ''بیٹا! ابھی آپ سو جاؤ، میں آپ کو ۲ بجے اٹھاؤں گا، ہم تہجد کی نماز پڑھیں گے، قرآن پاک کی تلاوت کریں گے اور پھر سحری کریں گے۔ اس کے بعد فجر کی اذان ہوتے ہی ہم فجر کی نماز ادا کریں گے۔''

ایان: ''ٹھیک ہے ابو!''

امی: ''بیٹے! زندگی میں کبھی بھی روزہ اور کوئی بھی نیک کام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا۔ اگر تم نے دکھاوے کے لیے نیک کام کیا تو تمھیں اس نیکی کا ثواب نہیں ملے گا۔''

''ایان: ''جی امی! میں آپ کی اس بات پر ضرور عمل کروں گا۔''

بلاغرض مدد

ارم فاطمہ۔ لاہور

وہ دونوں بہت گہرے دوست تھے۔ جب سے ان کی اسکول کی زندگی کا آغاز ہوا تھا تب سے وہ ایک ساتھ ایک ہی سیٹ پر بیٹھتے تھے۔ اپنی کتابیں، اپنا لنچ، یہاں تک کہ اپنا جیب خرچ بھی ایک دوسرے سے بانٹتے تھے۔ ان کی دوستی پورے اسکول میں مشہور تھی۔ سبھی اساتذہ ان کے سلوک، محبت اور ذہانت کی پورے اسکول کو مثالیں دیتے تھے۔ کھیل کا میدان ہو یا امتحان کی تیاری، اسکول کے فنکشنز ہوں یا تقریری مقابلوں کا انعقاد، ہر جگہ ہر چیز میں ان دونوں کی شمولیت لازمی تھی۔

معاذ اور اُسد، دونوں یوں تو بہت گہرے دوست تھے، مگر اُن کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ معاذ میں غصہ اور جلد بازی بہت تھی، جب کہ اسد تحمل مزاج اور دھیمے مزاج کا لڑکا تھا۔ معاذ بہت خود غرض تھا، صرف اپنے بارے میں سوچتا تھا۔ اس کی پہلی ترجیح اپنی ذات ہوتی تھی۔ وہ بہت کم کسی کا خیال رکھتا تھا یا بھلائی کرتا تھا۔ اسد اُس کے مقابلے میں دوسروں کا خیال رکھتا تھا اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے مزاجاً اختلاف رکھنے کے باوجود گہرے دوست تھے۔

ان کا اسکول اس وجہ سے پورے علاقے میں مشہور تھا کہ ان کے اسکول کی یہ روایت تھی کہ ہر سال اسکول میں تین ایسے ضرورت مند بچوں کو داخلہ دیا جاتا تھا جو ذہین اور قابل ہونے کے باوجود مالی حالات کمزور ہونے کے باعث اپنے تعلیمی اخراجات پورے نہ کر سکتے ہوں، ان کے تمام اخراجات اسکول کی طرف سے پورے کیے جاتے تھے۔ اس مقصد کے لیے اسکول کے بچے، اساتذہ اور خود پرنسپل صاحب بھی چندہ جمع کرنے میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔

اسد کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ وہ اس نیکی کے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے، مگر معاذ کبھی بھی اس کے ساتھ اس جدوجہد میں شامل نہیں ہوتا تھا۔ اسے اس نیکی کے کام میں کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ اتفاق سے اس سال اسکول والوں نے جن دو بچوں کو منتخب کیا ان میں سے ایک بچہ سعد اُن کی کلاس میں داخل ہوا۔

وہ بہت غریب بچہ تھا۔ اس کے والد وفات پا چکے تھے۔ اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ جلد ہی اس نے اپنی ذہانت سے سبھی طلبہ اور اساتذہ کو متاثر کر لیا اور کلاس میں نمایاں مقام بنا لیا۔ کلاس میں اس کی سب سے زیادہ دوستی اسد سے ہو گئی تھی۔ اسد بھی اس کا بے حد خیال رکھتا تھا، لیکن معاذ کو نہ جانے کیوں اس سے بے حد چڑ تھی۔ وہ بلا وجہ اسے تنگ کرتا رہتا۔ اسد اُسے منع کرتا، مگر وہ باز نہ آتا۔ سعد اُس کے ہر بُرے رویے کو سہہ جاتا اور کچھ نہ کہتا۔

وقت گزرتا رہا۔ جیسے زندگی کے راستے سبھی کو اُن کی الگ الگ منزلوں کی جانب لے جاتے ہیں اسی طرح معاذ اور اُسد بھی اپنے اپنے راستوں پر چلتے ہوئے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے، مگر اُنھوں نے عہد کیا کہ زندگی میں کسی مقام پر پہنچ کر وہ ایک دوسرے سے ضرور ملیں گے۔ آج کافی برسوں بعد کھیل کے میدان میں وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے بیتے لمحوں کی یادوں کو دُہرا رہے تھے۔ وقت نے اور زندگی کی مشقتوں نے ان کے چہروں

بقیہ صفحہ نمبر 30 پر

مہینوں میں ذی شان

ماہِ صیام

ارسلان اللہ خان ۔ حیدر آباد

اطاعت کا عنوان ماہِ صیام
مہینوں میں ذیشان ماہِ صیام

مہینا یہ صبر و قناعت کا ہے
عبادت ، سخاوت ، عنایت کا ہے

چھٹی گرد پھر آج جُزدان سے
مُعطّر ہے ماحول قرآن سے

عبادت کا ہر ایک عادی بنا
جو تھا بے نمازی ، نمازی بنا

چلو فیض لیں اس کے فیضان سے
یہی کام یابی ہے ایمان سے!

مسلسل جو رحمت کی برسات ہے
اسی ماہ میں قدر کی رات ہے

خدا کی رضا جس کو مطلوب ہے
وہ بندہ مرے رب کو محبوب ہے

گناہوں سے ہر دَم کرو اجتناب
کرو اپنا ہر روز تم احتساب

نمازیں جو قائم ہیں ہر حال میں
وہ جاری رہیں کاش شوّال میں

ہے جو آج ماحول ایثار کا
رہے کاش جاری یہی سلسلہ

اسی واسطے ہے یہ ساری بہار
کہ مومن بنے خوب پرہیزگار

کرو قدر اس کی بہت ارسلاںؔ
کہ بے شک مہینا ہے یہ عالی شان

’’حمنہ! کیا کر رہی ہو؟‘‘ مس مریم کی کڑک دار آواز سنائی دی اور جیومیٹری باکس میں تاک جھانک کرتی حمنہ کانپ کر رہ گئی، کیوں کہ مس مریم کی سخت طبیعت پورے اسکول میں مشہور تھی۔

’’مم......مس......وہ میں پنسل ڈھونڈ رہی تھی۔‘‘ حمنہ نے ڈرتے ڈرتے کہا، اس کا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔

’’کاپی لے کر میرے پاس آؤ۔‘‘ مس مریم کا سخت لہجہ یک لخت نرم پڑ گیا، جس سے پتا چل رہا تھا کہ وہ مصنوعی غصہ کر رہی تھیں۔ حمنہ کی سانسیں معمول پر آنے لگیں اور تیز تیز دھڑکتا دل نارمل ہونے لگا۔ اس نے اپنی کاپی اٹھائی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی مس مریم کے پاس پہنچ گئی۔

’’یہاں بیٹھ کر مشق کرو۔ ریاضی مشق مانگتی ہے اور مشق سے ہی کوئی شخص ماہر بنتا ہے۔‘‘ مس مریم نے اپنے سامنے موجود کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ حمنہ آہستگی سے کرسی پر بیٹھ گئی، اس کے انداز میں جھجک تھی۔

اب وہ کاپی اور پنسل ہاتھوں میں پکڑے سر جھکائے سوچوں میں غرق ہو گئی۔

’’نہ جانے سب استانیوں کو مجھ سے کیا دشمنی ہے؟ اپنے پاس بلا لیتی ہیں کہ یہاں بیٹھ کر کام کرو۔ پوری کلاس کتنی خوش نصیب ہے کہ اپنی جگہ پر ہی بیٹھی رہتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سب استانیاں ان پر بھی سختی کرتی ہیں، مگر اپنی جگہ سے تو نہیں اٹھاتیں۔‘‘ وہ سوچنے لگی۔

’’کیا ہوا بیٹا!؟ سوال حل نہیں ہو رہا؟‘‘ مس مریم کی آواز سن کر حمنہ چونکی اور خیالوں کی دنیا سے چھلانگ لگا کر واپس اپنے کمرۂ جماعت میں آ گئی۔

’’نہیں مس! ابھی دوبارہ کوشش کرتی ہوں۔‘‘ حمنہ نے گڑبڑاتے ہوئے کہا، اب اور وہ کہہ بھی کیا سکتی تھی۔ مس مریم کمرۂ جماعت کا چکر لگانے لگیں، مگر ہر چکر کے اختتام پر حمنہ کے پاس رکنا نہ بھولتیں۔

اگلے دن ٹیسٹ میں سب سے زیادہ نمبر حمنہ نے لیے تھے۔

......☆......

’’آدھی چھٹی کے وقت کتاب لے کر میرے پاس آ جانا۔‘‘ مس ماریہ نے کہا تو حمنہ کا منہ بن گیا۔

’’کیا مصیبت ہے؟ چھٹی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ آخر میں نے کیا قصور کیا ہے؟ کون سے نا کردہ گناہوں کی سزا مل رہی ہے مجھے؟‘‘ حمنہ نے خود کو دل ہی

کندن

بنت عبدالخالق۔ ملتان

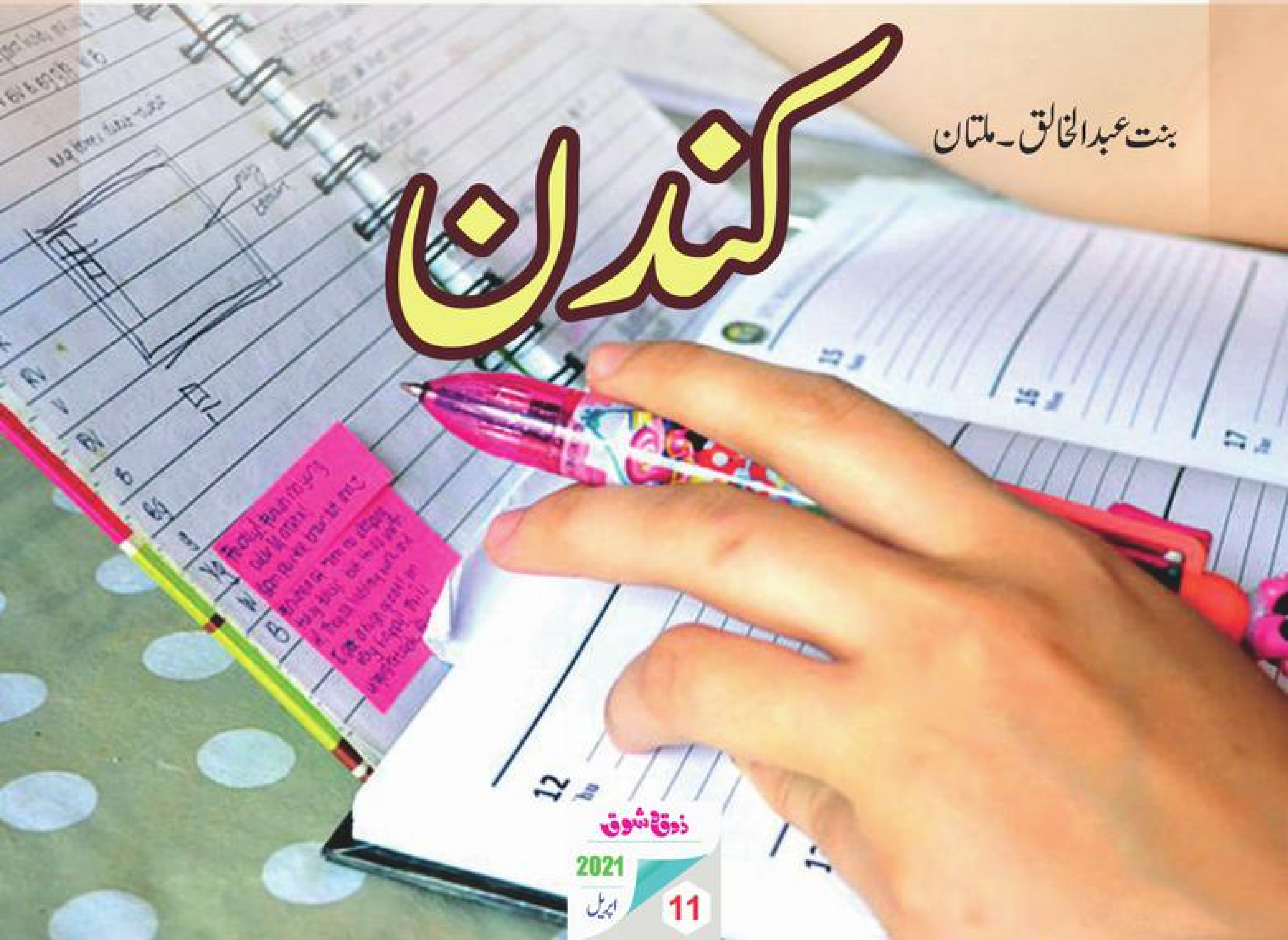

دل میں کوسا اور بڑبڑائی۔

''کچھ کہا بیٹا!؟'' مس ماریہ نے چونک کر سر اُٹھایا۔

''نن......نہیں مس!'' وہ گھبرا گئی۔

آدھی چھٹی کے وقت باقی سب لڑکیاں تو وقفے کا لطف اٹھانے چلی گئیں، جب کہ وہ کتاب اٹھا کر مس ماریہ کے پاس پہنچ گئی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کاش اس کے پاس سلیمانی ٹوپی ہوتی جسے پہن کر وہ مس ماریہ کی نظروں سے غائب ہوجاتی، کیوں کہ اگر وہ اُن کے پاس نہ جاتی تو مس خود اُسے ڈھونڈنے آجاتیں۔

مس ماریہ نے اس سے آج کے ٹیسٹ کے متعلق پوچھا اور سمجھانے لگیں۔

آدھی چھٹی کے بعد ٹیسٹ ہوا تو سب سے زیادہ نمبر حمنہ کے تھے، حالاں کہ وہ گھر سے ٹیسٹ کی تیاری کر کے بھی نہ آئی تھی۔ اس کے دل سے مس ماریہ کے لیے دعائیں نکلیں، جنھوں نے آدھی چھٹی کے وقت بلا کر سبق سمجھایا تھا۔ اس وقت تو اُسے غصہ آیا تھا کہ وہ بھی باقی لڑکیوں کی طرح آدھی چھٹی کا لطف اٹھاتی، لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ وقت ضائع نہیں ہوا تھا، کارآمد رہا تھا۔

''اتنی محنت کرو کہ اپنے نمبروں پر خود تمھیں بھی یقین نہ آئے، بل کہ لوگ یقین دلائیں کہ یہ تمھارے ہی نمبر ہیں۔'' ٹیسٹ کے بعد مس ماریہ نے کہا۔ نہ جانے اس بات میں کیا کشش تھی کہ وہ سیدھی حمنہ کے دل پر جا لگی۔

......☆......

''حمنہ! آپ نے نہم دہم کا امتحان اکٹھا دینا ہے، محنت زیادہ کرو۔'' مس مدیحہ نے کلاس میں داخل ہوتے ہی حمنہ کو بلایا اور نصیحت کرنے لگیں۔

''بھلا اور میں کتنی محنت کروں؟ صبح اسکول آؤ، واپسی پر مشکل سے کھانا ہی کھاؤ کہ مدرسے جاؤ، شام کو جماعت دہم کی تیاری کے لیے اکیڈمی جاؤ، اور کتنا پڑھوں میں؟ زندگی ہے یا مصیبت؟ سب ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔'' حمنہ دل ہی دل میں رونے لگی۔

''ٹھیک ہے مس!'' حمنہ بے شک دل ہی دل پیچ و تاب کھا رہی تھی، لیکن جواب انتہائی فرماں برداری سے دیا۔

''چھٹی کے بعد آدھے گھنٹے رکنا، آپ کو تیاری کروانی ہے۔ میں نے آپ کے گھر فون کر دیا ہے کہ آج حمنہ دیر سے آئے گی۔'' مس مدیحہ نے محبت سے کہا۔

''اف! آج سے چھٹی بھی بند۔'' حمنہ نے دکھ اور غم کی کیفیت سے دوچار ہو کر سوچا۔ دل میں آیا کہ مس مدیحہ کو کہہ دے کہ مس! آپ کی مجھ سے ایسی کون سی دشمنی ہے کہ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ آخر کلاس میں اور لڑکیاں بھی تو ہیں، پھر صرف میں ہی کیوں؟ کون سا گناہ کر لیا میں نے جس کے لیے اتنی مصیبتیں برداشت کرنی پڑ رہی ہیں۔

''ٹھیک ہے مس!'' اس نے بڑی مشکل سے اپنے اندر کے طوفان کو روکتے ہوئے پوری فرماں برداری کا مظاہرہ کیا۔

''بیٹا! اتنی محنت کرو کہ تمھیں دنیا کو یہ بتانا نہ پڑے کہ میں نے کتنا پڑھا ہے، بل کہ تمھارے نمبر خود بتائیں۔'' مس مدیحہ نے مسکراتے ہوئے اسے محنت کی تلقین کی اور کلاس سے باہر چلی گئیں اور وہ صرف سر جھٹک کر رہ گئی۔

......☆......

آج نتیجہ آنے والا تھا۔ کمرے میں آپی، بھیا اور امی، سب موجود تھے۔

حمنہ کے ہاتھ لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر کانپ رہے تھے اور سب کی نظریں لیپ ٹاپ کی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ اتنے میں نتیجہ آگیا۔ اپنے نمبر دیکھ کر حمنہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں، اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے بے اختیار اپنے آپ کو چٹکی بھری کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہی۔ جب اسے درد محسوس ہوا تو یقین آگیا کہ یہ خواب نہیں، بل کہ حقیقت ہے۔ اپنی تسلی مزید مضبوط کرنے کے لیے اس نے اوروں سے تصدیق چاہی:

''ارے واہ! کیا یہ میرے نمبر ہیں!؟'' وہ بے اختیار کہہ اٹھی۔

''جی ہاں گڑیا! یہ تمھارے ہی نمبر ہیں۔'' امی جان نے حمنہ کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

''شکریہ مس!'' حمنہ کے منہ سے فوراً نکلا۔

''مس ٹھیک ہی کہتی تھیں، سب استانیاں مجھے دشمن لگتی تھیں، مگر وہ تو میری ہمدرد اور محسن نکلیں۔ وہ وقتی مشقت تھی، لیکن میٹرک کے نمبر تو اب تبدیل ہونے والے نہیں۔ شکر ہے کہ میں نے اعلیٰ نمبر حاصل کیے ہیں۔'' اس نے خوشی سے سوچا۔ اب اسے اپنی استانیوں اور اپنے آپ پر فخر محسوس ہو رہا تھا۔

اگلے دن اخبار میں حمنہ کے نمبروں کی خبر چھپی تو حمنہ کو مس مدیحہ کی بات یاد آگئی کہ واقعی نمبر بولتے ہیں۔

عزیز قارئین! بے شک کندن بننے کے لیے آگ کی تپش اور گرمی سے گزرنا پڑتا ہے، لیکن کندن بننے کے بعد خام مال قیمتی ہو جاتا ہے۔ حمنہ پر اُس کی استانیوں نے وقتی سختی کی تھی اور اُس کی خواہش کے برعکس محنت کروائی تھی، لیکن ان کی اس سختی نے اسے کندن بنا دیا تھا۔

رہبر بھی یہ، ہم دم بھی، یہ غم خوار ہمارے
استاد یہ قوموں کے ہیں معمار ہمارے

امی جان کی بات سنتے ہی ہماری مسکراہٹ سمٹتے سمٹتے معدوم ہوگئی، آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بمشکل حلق سے آواز نکلی:

''کیا کہہ رہی ہیں آپ!؟''

.......☆.......

''پڑھائی، پڑھائی، پڑھائی......اُف!''

اس دن کالج سے واپسی پر ہمارا موڈ سخت خراب تھا۔ کل کے لیے سر نے تین ٹیسٹ دے دیے تھے۔ کالج میں آئے چھے ماہ ہونے کو آئے تھے، پر مجال ہے جو ہم نے کالج کی زندگی کو ذرا بھی ''اِنجوائے'' کیا ہو۔ وہی اسکول کی طرح صبح سات بجے سے دوپہر ایک بجے تک پڑھتے رہو۔ نہ کبھی چھٹی کرو، نہ کوئی دورانیہ چھوڑو۔ کبھی کبھی تو شک ہونے لگتا کہ شایداً بھی تک اسکول میں ہی ہیں۔ اوپر سے اساتذہ کو دیکھو، ٹیسٹ پر ٹیسٹ۔ ہم نے غصے سے ایک کو پتھر کو ٹھوکر ماری۔

''بس بہت ہوگیا، ہم چھٹی کر کے رہیں گے۔'' ہم نے تہیا کرلیا اور گھر پہنچنے تک چھٹی کا سارا منصوبہ ہمارے ذہن میں مکمل ہو چکا تھا۔ ذہین تو خیر ہم ہیں ہی الحمدللہ! اس کی معترف تو اَمی جان بھی ہیں۔

.......☆.......

''نعمان بیٹے! جلدی کرو، آپ کالج سے لیٹ ہو جاؤ گے۔'' امی جان نے ناشتا میز پر رکھا اور ہمیں پکارا۔

''اچھا امی جان!'' ہم نے بستہ اٹھایا، جس میں رات کو ہی کپڑوں کا ایک جوڑا رکھ لیا تھا اور کتابیں نکال کر کپڑوں کی الماری میں چھپا دی تھیں۔ جلدی جلدی ناشتا کیا اور باہر کی طرف لپکے۔ چھوٹے بہن بھائی ابھی ناشتا کر رہے تھے۔ ان کی وین ذرا دیر سے آتی تھی۔ ہم کچھ دور پیدل چلتے، پھر کالج کی بس پکڑتے تھے۔ ابھی ہم دروازے کے قریب ہی تھے کہ امی جان کی آواز آئی:

''بیٹا! آپ نے اسکول کے جوتے تو پہنے ہی نہیں۔''

''افوہ! یہ امی کیوں پیچھے آگئیں؟'' ہم جھنجھلائے۔ روزانہ تو باورچی خانے سے ہی اللہ حافظ کہہ دیتی تھیں۔ آج شاید ہم پر زیادہ پیار آ رہا ہے۔

''اوہو، میں تو بھول ہی گیا۔'' ہم نے جوتوں کی طرف نظر کی اور بھولپن سے بولے: ''ابھی پہن لیتا ہوں۔''

ہم نے واپس پلٹ کر اِسکول کے جوتے اٹھائے۔ اسی وقت ابو جی نے امی جان کو چائے لانے کو کہا۔ ہم نے موقع غنیمت جانا، جوتے صوفے کے پیچھے چھپائے اور غڑاپ سے باہر۔

گلی کا موڑ مڑ کر ''یاہو'' کا نعرہ لگایا۔ پہلا مرحلہ بخیریت طے ہوا۔

''شاباش نومی صاحب!'' ہم نے اپنے آپ کو شاباش دی۔

بس اسٹاپ سے پہلے ہی ایک مسجد ہے، جہاں ہم باقاعدگی سے نماز پڑھتے ہیں۔ ادھر اُدھر دیکھا اور جھٹ مسجد کے اندر۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ بستہ سمیت غسل خانے میں گھس گئے اور دو منٹ بعد ہی یونی فارم بستے میں منتقل ہو چکا تھا اور ہم گھر کے کپڑوں میں ملبوس تھے۔

خوشی سے گنگناتے ہوئے رکشا پکڑا اور پارک میں آ کر بیٹھ گئے۔ کچھ وقت وہاں گزارا۔ چہل قدمی کی۔ صبح کی ہوا کافی فرحت بخش لگ رہی تھی۔ نو بجے تو

کارنامہ

ڈاکٹر زاہدہ پروین۔ بہاول پور

لائبریری کا رُخ کیا۔ جی بھر کر کہانیاں پڑھیں۔ واہ واہ! ایسی فراغت کہاں نصیب ہوتی ہے۔ گھر میں تو کوئی نیا ناول لاؤں تو بہن بھائیوں ہی میں جھگڑا شروع ہو جاتا ہے اور اگر بڑے ہونے کا رُعب جما کر خود پڑھنا شروع کر دوں تو کچھ دیر بعد ہی امی جان کو فکر ہونے لگتی ہے:

''بیٹا! کل اس ناول کا ٹیسٹ ہے کیا؟''

ایک تو امی جان بھی نا! ہم نے تصور ہی تصور میں سوچا: امی جان سمجھ رہی ہوں گی کہ ہم کالج میں پڑھ رہے ہیں۔ ہاہاہا! شیطان نے ہمیں خوب شاباش دی۔

ایک ناول ختم کر کے دوسرا اُٹھالیا۔ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ تو ظہر کی اذان کی آواز آئی تو بھاگم بھاگ گھر کا رُخ کیا۔ پتا تھا کہ امی جان ابھی تک واپس نہیں آئی ہوں گی۔ آج انھوں نے خالہ جان کے جانا تھا۔ اب خالہ جان اتنی بے مروت تو نہیں تھیں کہ کھانا کھلائے بغیر واپس جانے دیتیں۔

کالج کی ہمیں فکر نہیں تھی۔ ایسے ہی غیر حاضر بھی ہو جاتے تو کوئی بات نہیں تھی، مگر چوں کہ ہم اپنے منصوبے میں کوئی جھول نہیں چاہتے تھے، اس لیے کل رات ہی اپنے دوست کو کہہ دیا تھا کہ ہماری چھٹی کی درخواست دے دے اور پورا یقین تھا کہ اس نے درخواست دے دی ہو گی۔

ہنستے مسکراتے گھر پہنچے۔ ملازمہ کی زبانی معلوم ہوا کہ امی جان چار بجے تک آئیں گی۔ ملازمہ کو بھی شک نہیں ہوا کہ ہم اسکول نہیں گئے تھے، کیوں کہ واپسی پر پھر مسجد میں لباس تبدیل کر لیا تھا۔ کچھ دیر بعد باقی بہن بھائی بھی اسکول سے آگئے اور اُن کے پیچھے پیچھے امی جان بھی آگئیں۔

''آپ جلدی نہیں آگئیں؟''

''بیٹا! ضروری کام تھا، اس لیے جلدی آگئی۔'' امی جان نے برقعہ اتارتے ہوئے جواب دیا۔ ہم بھاگ کر پانی کا گلاس لے آئے۔

''کالج میں دن کیسا گزرا؟'' امی جان نے روزانہ والا سوال دھرایا، مگر وہ روزانہ کی طرح مسکرا نہیں رہی تھیں۔ شاید تھک گئی ہوں گی۔

''بہت اچھا دن گزرا۔'' ہم مسکرائے۔

''کہاں کہاں کی سیر کی؟'' امی جان نے ہماری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

امی جان کی بات سنتے ہی ہماری مسکراہٹ سمٹتے سمٹتے معدوم ہوگئی، آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بمشکل حلق سے آواز نکلی:

''کیا کہہ رہی ہیں آپ!؟''

''اتنا تو مجھے پتا ہے کہ آپ آج کالج نہیں گئے تھے۔ اب کہاں گئے تھے، یہ آپ خود بتا دیں۔'' امی جان آرام سے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ہم نے فوراً صبح سے اب تک کی باتوں کو ذہن میں دھرایا، مگر کہیں کوئی رخنہ نظر نہ آیا، پھر یہ خبر باہر کیسے نکلی؟ یہی سوال امی جان سے کیا تو اُنھوں نے اپنا موبائل ہماری طرف بڑھایا۔

''آپ کے اسکول سے میسج آیا تھا کہ آپ غیر حاضر ہیں۔''

''اُف!'' ہم سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

''یہ نئے پرنسپل صاحب بھی نا!''

وہ ایک ہفتہ قبل ہی ہمارے کالج میں تعینات ہوئے تھے اور اُن کے بارے میں مشہور تھا کہ بہت اصول پسند ہیں۔ انھوں نے ہی یہ نیا قانون بنایا ہوگا کہ جو بچہ غیر حاضر ہو اُس کے گھر میں اطلاع دے دیں، ورنہ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا۔

پھر کیا تھا جناب! امی جان کو تفصیل سے اپنا پورا ''کارنامہ'' سنایا۔ ان کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ بھی ہماری ذہانت سے بہت متاثر ہو رہی ہیں، لیکن پھر وہ یہ وعدے لے کر اُٹھیں کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں ہوگی اور ہم نے بھی ان سے یہ وعدہ لیا کہ وہ ابو جان کو یہ بات نہیں بتائیں گی۔

وہ دن اور آج کا دن، بے شک ہم کالج میں ہیں، مگر روزانہ صبح سات بجے جاتے ہیں اور ایک بجے کالج سے نکلتے ہیں۔

بقول امی جان:

''اللہ تعالیٰ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں، اس لیے پہلی غلطی پر ہی پکڑ لیا، تاکہ آپ آئندہ یہ غلط کام نہ کرو۔''

اور امی جان کی بات یقیناً سچ ہے۔

سوال آدھا جواب آدھا ۱۹

الطاف حسین۔ کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۰، اپریل تک ارسال کر دیجیے، ہم آپ کو اس کا انعام روانہ کر دیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو انعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

۱ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب میں بارھویں سورت ''سورۂ یوسف'' ہے...... بتایئے نزولی اعتبار سے قرآن مجید کی کون سی سورت بارھویں نمبر پر ہے؟

۲ اللہ تعالیٰ نے ''قوم عاد'' کو راہِ راست پر لانے کے لیے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا...... آپ یہ بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ''قومِ ثمود'' کی اصلاح کے لیے کون سے نبی علیہ السلام کو بھیجا تھا؟

۳ ''ابوالقاسم'' (قاسم کے والد) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت تھی...... بتایئے ''ابوالبشر'' (انسانوں کا باپ) کون سے نبی علیہ السلام کو کہا جاتا ہے؟

۴ ''بہشتِ بریں (خلدِ بریں)'' سب سے اعلیٰ درجے کی جنت کو کہا جاتا ہے...... بتایئے ''بہشتِ شدّاد'' کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۵ چین نے 24، اکتوبر 1945ء کو اقوام متحدہ کی رکنیت حاصل کی تھی...... بتایئے پاکستان کس تاریخ کو اقوامِ متحدہ کا رکن بنا تھا؟

۶ ''انارکلی بازار'' (لاہور) پاکستان کا عالمی شہرت یافتہ بازار ہے...... بتایئے اگر آپ ''گرانڈ بازار'' میں خریداری کر رہے ہوں تو ترکی کے کون سے شہر میں ہوں گے؟

۷ ترکی کے شہر ''اَدرنہ'' کو ماضی میں ''ایڈریانوپل'' کہا جاتا تھا...... بتایئے شام کے شہر ''حلب'' کا قدیم نام کیا تھا؟

۸ ''روگن ڈیم'' اسلامی ملک تاجکستان کے شہر واخش میں واقع ہے (جو 1985ء میں مکمل ہوا تھا)...... بتایئے ''پوٹس ڈیم'' کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۹ جرائم سے تعلق رکھنے والا علم ''جرمیات (Criminology)'' کہلاتا ہے...... بتایئے جیل کے انتظام اور سزا کے مطالعے کے علم کو کیا کہتے ہیں؟

۱۰ ''پتھر سے سر پھوڑنا'' اردو زبان کا ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے: ''بے وقوف کو سمجھانا/بے فائدہ کوشش کرنا'' آپ یہ بتایئے کہ...... ''پتھر کا جگر پانی ہونا'' کا کیا مطلب ہے؟

نیکیوں کا موسمِ بہار

مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی۔ مانسہرہ

رمضان المبارک اپنی رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ عالمِ اسلام پر سایہ فگن ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ مبارک مہینا خوشیاں ہی خوشیاں لے کر آتا ہے۔ اس مقدس ماہ میں مسلمان اپنے رب کو راضی کرنے کوشش کرتے ہیں۔ پورا دن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھانا پینا اور خواہشات نفسانیہ کو چھوڑ کر اور رات کو تراویح اور قیام اللیل میں مشغول ہو کر تقویٰ والی صفت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس مبارک مہینے میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے ہیں۔ شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ اس مبارک مہینے میں ایک شب، شبِ قدر کہلاتی ہے۔

رمضان المبارک میں افطار اور سحر کے اوقات میں روزے داروں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس مبارک ماہ کا اول حصہ رحمت، درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا ہے۔ یہ مہینا ہر لحاظ سے امت مسلمہ کے لیے رحمتوں والا ہے۔

نبی پاک ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے:

”جو شخص اس ماہ مبارک کو پالے اور اُس میں اپنی مغفرت نہ کرا سکے، اس سے زیادہ بدنصیب اور بدبخت شخص کوئی نہیں۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رجب کا مہینا آتا تو اللہ کے رسول ﷺ اس طرح دعا فرماتے:

”اے اللہ ہمارے لیے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان کے مہینے تک پہنچا۔“

(بخاری)

آپ ﷺ کے ایک اور فرمان مبارک کا مفہوم ہے:

”جو شخص رمضان المبارک کے روزے رکھے اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ جو شخص رمضان کی راتوں میں نماز کے لیے کھڑا رہے اس کے بھی گناہ بخش دیے جائیں گے اور جو شب قدر میں قیام کرے اس کے بھی گناہ بخش دیے جائیں گے۔ بس شرط یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی باتوں اور وعدوں کو سچا جانے اور خود آگہی اور خود احتسابی سے غافل نہ ہو۔

(بخاری، مسلم)

عزیز قارئین! قرآن مجید کا نزول بھی اس مبارک ماہ میں ہوا۔ قرآن مجید اور رمضان کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”رمضان کا مہینا ہی وہ مہینا ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے، راہ نمائی کے واضح احکامات بتانے والا ہے اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ہے، پس جو کوئی بھی تم میں سے اس مہینے کو پالے وہ اس کے روزے رکھے۔“

(آل عمران)

رمضان المبارک کے عشرۂ اخیر کی طاق راتوں میں ایک رات شب قدر ہوتی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ہزار مہینے، 83 سال اور 4 مہینے بنتے ہیں۔ اللہ پاک کا اس امت پر اپنا خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے اس امت کو اتنی فضیلت والی رات عطا کی۔

اسی طرح خالی پیٹ ہونے کی وجہ سے روزے دار کے منہ میں پیدا ہونے والی بُو اللہ پاک کے ہاں مشک کی خوش بو سے زیادہ پاکیزہ اور خوش گوار ہے۔

اب ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم اس مقدس ماہ کی کیسے قدر کریں؟ کیا ویسے ہی اسے گزار دیں جیسے ہم پورا سال اللہ پاک کی نافرمانیوں میں لگے رہتے ہیں؟

نہیں، بل کہ ہمیں چاہیے کہ اس مبارک ماہ میں زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کی تلاوت کریں، نمازوں کی وقت پر ادائیگی، تراویح اور ذکر اذکار

کا خاص اہتمام کریں۔

قیام اللیل کی بھی کوشش کریں، کیوں کہ یہ رحمٰن کے بندوں کی صفات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفات میں یہ بھی فرمایا ہے:

''ان کی راتیں اپنے رب کے سامنے قیام وسجود میں گزرتی ہیں۔''

(الفرقان)

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا بھی مفہوم ہے:

''جس نے رمضان (کی راتوں میں) قیام کیا ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے تو اُس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

(بخاری ومسلم)

راتوں کا قیام نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی مستقل معمول تھا۔ آج بھی اللہ کے نیک بندے اس کا اہتمام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

شاعر نے کیا ہی خوب کہا ؎

بے زبانوں کو جب وہ زبان دیتا ہے
تو پڑھنے کو انھیں قرآن دیتا ہے
معاف کرتا ہے جب امتِ محمد کے گناہ
تو تحفے میں انھیں ماہ رمضان دیتا ہے

مسلمان اس مبارک مہینے میں قرآن پاک کی تلاوت کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ نماز تراویح میں قرآن پاک سنا اور سنایا جاتا ہے۔ دونوں کی برکتوں سے مسلمان لطف اندوز ہوتے ہیں۔

نبی پاک ﷺ بھی ہر سال رمضان المبارک میں جبرائیل امین علیہ السلام کے ساتھ ہر رات قرآن پاک کا دَور کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: 4/ 137، کتاب بدء الخلق)

اس لیے اس مبارک ماہ میں قرآن کی تلاوت وغیرہ کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔ قرآن کریم تو وہ مقدس کتاب ہے جس کی تلاوت ہر اعتبار سے اجر وثواب اور خیر وبرکت کا باعث ہے۔

رمضان المبارک میں عام دنوں کی بنسبت صدقہ وخیرات کا بھی خاص اہتمام کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ بھلائی کے کاموں میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے اور آپ ﷺ کی سب سے زیادہ سخاوت رمضان کے مہینے میں ہوتی تھی۔ اس مہینے میں (قرآن کا دور کرنے کے لیے) آپ جبریل علیہ السلام سے ملتے تو آپ کی سخاوت اتنی زیادہ اور اس طرح عام ہوتی جیسے تیز ہوا چلتی ہے، بل کہ اس سے بھی زیادہ۔

(مسلم)

لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ رمضان المبارک میں ہم ان لوگوں کا بھی خاص خیال رکھیں جن کے دستر خوان سحر و افطار کے وقت خالی رہتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی کا روزہ افطار کرایا تو فرشتے رمضان کے مہینے کی گھڑیوں میں اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

اللہ پاک اس مبارک ماہ کی برکات سمیٹنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

آمین

بقیہ: مظلوم کی فتح

کبوتر کو اُسی وقت روانہ کر دیا گیا۔

رات دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔ درخت پر بیٹھے بندر خاموشی سے اس طرف دیکھ رہے تھے جدھر کبوتر گیا تھا۔ اب صبح قریب تھی۔ اچانک جنگل کے غار کی طرف سے کچھ آوازیں آنے لگی۔

بادشاہ سلامت ابھی تازہ تازہ ہرن کھا کر اُونگھ رہے تھے کہ باہر ہلچل ہوئی۔ گینڈا فوراً اُٹھا اور باہر آ گیا۔ اچانک سامنے درخت کی شاخ سے زہر میں بجھا ہوا تیر آیا اور اُس کا کام تمام کر دیا۔

جنگل میں ہر طرف دیوہیکل بندر پھیلے ہوئے تھے۔ ایک طرف بادشاہ سلامت کی فوج تھی اور ایک طرف بندر تھے۔ بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ایک طرف جھنڈ میں بیٹھے بندر لکڑیاں چھیل کر تیر بنا رہے تھے، دوسری طرف بیٹھے ہوئے کینگرو اُن تیروں کو زہر میں ڈبو کر نکال رہے تھے۔ خرگوشوں کا کام ان تیروں کو اُن بندروں تک پہنچانا تھا جو جنگ لڑ رہے تھے۔

......☆......

جنگ جاری تھی۔ دھڑا دھڑ جانور قتل ہو رہے تھے۔ اب تک بندروں کا پلڑا بھاری تھا۔ اچانک سناٹا چھا گیا۔ چار بندر رسی سے باندھ کر شیر کا دھڑ لے آئے اور میدان میں سب کے سامنے پھینک دیا۔ جنگل میں چھائے ہوئے اس سناٹے کو بندروں کے نعروں نے توڑ دیا۔ ہر طرف شور مچا ہوا تھا اور زمین پر فتح کا سورج آب وتاب سے پَر پھیلائے کھڑا تھا۔

پہلا روزہ

ڈاکٹر عاصم بھروچہ۔ کراچی

''میں پچھلے پورے سال بھی سحری کے لیے اٹھتا رہا۔ اس سال بھی اب تک چار روزے ہوگئے ہیں، میں روزانہ سحری میں اٹھ رہا ہوں۔ آپ لوگ پورے دن کا روزہ رکھیں اور میں دن میں تین، یہ غلط بات ہے۔ میں بھی بڑا روزہ رکھوں گا، مجھے بھی زیادہ ثواب چاہیے۔'' سفیان نے پورے دن کا روزہ رکھنے کی ضد کی۔

''رکھ لینے دو، ویسے کون سا کھاپی لیتا ہے، تنگ ہی تو کرتا ہے۔'' سفیان کے ابو نے اس کی امی سے کہا۔

''ابھی چار سال کا ہی تو ہے۔ کچھ ہوگیا تو!؟'' امی نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور بن کہے الفاظ دونوں باپ بیٹے نے سن لیے۔

''ارے، روزہ رکھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک برداشت ہے رکھ لے، ورنہ روزہ کھول کر کچھ کھالے گا۔'' ابا نے کہا۔

''ویسے بھی آپ کون سا میری بات سنتے ہیں، چلا لیں مرضی!''

آخر سفیان کی پسند کی سحری بنائی گئی جو حسبِ عادت اس نے نخرے دکھا کر بڑی مشکل سے تھوڑی سی کھائی، باقی بچ گئی۔

فجر پڑھ کر سوگئے۔ ابا دفتر روانہ ہوگئے اور سفیان میاں کو ایئر کنڈیشنر میں سوتا چھوڑ کر اماں گھر کے کاموں میں مصروف ہوگئیں۔ دوپہر کو سب نے قرآن پاک پڑھ کر لمبی تانی، مگر سفیان کو نیند نہیں آرہی تھی۔

> ''Genre Art'' کہانی ایسی کہانی کو کہتے ہیں جو روزمرہ کے واقعات پر مشتمل ہو۔

آخر کار سب کی نیند کی خاطر ابا نے قربانی دی اور مسجد کی جانب عصر کی نماز سے کافی پہلے ہی روانہ ہوگئے۔ وہاں بڑے مولانا صاحب سے سفیان کو ملوایا اور روزے کا بتایا۔ انھوں نے حوصلہ افزائی کے ساتھ دو باتیں کہیں:

۱۔ ہونٹ خشک ہو رہے ہیں۔ اگر پورا نہیں کرسکے تو کھلوادینا، صحت کا نقصان نہیں کرنا، نہ ہی ناراض ہونا۔ ۲۔ روزہ کشائی سے بچنا، اس سے ریا، دکھلاوا اور تکبر بچپن میں ہی راسخ ہوتا ہے۔

پھر دونوں باپ بیٹے بڑے مفتی صاحب کے پاس گئے۔ انھوں نے فرمایا:

''بھائی! اسے فوراً پانی پلاؤ۔ پنسل جیسی صحت ہے۔''

ابا نے مفتی صاحب کی بات مانتے ہوئے سفیان کے ساتھ کولر کا رُخ کیا۔

''بابا! نماز پڑھ کر پانی پی لیتے ہیں۔'' سفیان کی بات سن کر ابا بھی مسجد میں بیٹھ گئے، پھر نماز کے بعد کہا:

''چلو، اب پانی پی لو۔''

سفیان بولا:

''بیان تو سن لیں، پھر پانی بھی پی لوں گا۔''

بیان کافی دل چسپ تھا، لیکن اب سفیان واقعتاً تھکا ہوا لگ رہا تھا، لہٰذا دورانِ بیان میں ابا اسے کولر تک لے گئے تو کہنے لگا:

''یہاں سے نہیں، گھر میں پانی پیوں گا۔''

مرتے کیا نہ کرتے۔ بیان ادھورا چھوڑ کر گاڑی میں گھر کی جانب روانہ ہوئے تو سفیان صاحب نے نئی فرمائش کردی:

''بابا! پہلے تھوڑا گھما پھرا تو دیں۔'' ابا بھی اب سفیان کا کھیل سمجھ گئے اور ساتھ دینے لگے۔

تھوڑی دیر بعد ابا نے پوچھا:

''اب گھر چلیں؟'' سفیان نے ہامی بھر لی۔

راستے میں سفیان میاں نے پھر ایک فرمائش کردی:

''بابا! خربوزہ لے لیں۔''

اب نیا تماشا شروع ہوگیا۔ اول تو خربوزہ مل کر نہ دے، ملے تو یا تو بہت مہنگا ملے یا پھر ایسا جو کھانے کے قابل ہی نہ ہو۔ آخر افطار میں آدھا گھنٹہ رہ گیا تو خالی ہاتھ گھر کو چلے۔

گھر پہنچ کر پہلے تو دادا ابا، دادی اماں، دونوں نے کھچائی کی:

''کہاں رہے گئے تھے؟ یہ کوئی وقت ہے آنے کا۔ دونوں باپ بیٹا بھٹکتے رہتے ہیں۔ آپ ہی عقل سے کام لیتے کہ بے چارے بچے کا روزہ ہے۔''

اب بیس منٹ رہ گئے تھے اور سفیان ضد کرنے لگا کہ اسے سائیکل چلانی ہے۔ اس وقت جب کہ سب لوگ اپنے گھروں میں تھے، دونوں باپ بیٹا باہر سائیکل چلا رہے تھے اور سفیان کہہ رہا تھا:

''سائیکل چلانے سے تو ساری پیاس بجھ گئی۔''

اب پانچ منٹ تھے۔ ہاتھی نکل گیا، دم رہ گئی تھی اور افطاری کے آگے صبر کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

لیکن سفیان میاں نے سوچا، دو چار منٹ بعد بھی میں ہی تو ان مزے دار نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گا، لہٰذا کچھ دیر کا صبر اور سہی، اور یوں سفیان میاں نے پہلا مکمل روزہ چار سال کی عمر میں رکھا۔

مسواک

اکبر امین میمن۔ سکھر

وہ ایک سرد دن تھا۔ تبلیغی جماعت بالاکوٹ کی پہاڑیوں سے گزر رہی تھی۔ دور دُور تک پہاڑ ہی پہاڑ تھے اور موسم میں قدرے ٹھنڈک تھی۔ سبز گھاس کی چادر سی پہاڑوں پر بچھی ہوئی تھی۔ تبلیغی جماعت کے لوگ اپنے اپنے بستے اٹھائے، ٹوپی اوڑھے اس جگہ کو عبور کر رہے تھے۔

تبلیغی جماعت والے گشت پر نکلے تو اُنھیں راستے میں ایک لڑکا ملا۔ شکل سے وہ بالاکوٹ کا رہنے والا ہی لگ رہا تھا۔ وہ کبوتروں کو باجرہ ڈال رہا تھا، دور دُور تک اس جگہ کبوتر ہی کبوتر تھے۔ اس لڑکے کا نام عبداللہ تھا۔

''او......او......'' عبداللہ آواز لگا رہا تھا۔ جماعت والوں نے اس لڑکے سے بات کرنا چاہی۔

''السلام علیکم!'' جماعت والوں میں سے ایک نے کہا، اس لڑکے نے جھکا ہوا سر اُٹھایا۔

''وعلیکم السلام!'' وہ لڑکا پشتو لب و لہجے میں بولا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟'' سلمان بھائی نے پوچھا، جو جماعت کے ساتھ ہی تھے۔

''ہمارا نام عبداللہ۔ تم کون؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''ہم تبلیغی جماعت والے ہیں۔ لوگوں کو دین کی باتیں بتانے آئے ہیں۔'' سلمان بھائی قدرے نرمی سے بولے۔

''اسلام کے بارے میں، بتاؤ۔'' عبداللہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے باجرے کی کٹوری وہیں رکھ دی۔

''ایسے نہیں۔ تم مسجد آ جاؤ۔ قریب ہی مسجد ہے۔ ہم وہاں ہوتے ہیں۔'' سلمان بھائی ہی اس سے بات کر رہے تھے۔ عبداللہ تقریباً سولہ سترہ سال کا تھا۔

''ضرور! ہم آئے گا نا! ظہر کی نماز میں تم سے وہیں ملے گا ہم۔'' عبداللہ نے اسی انداز سے کہا۔

ظہر کی اذان ہوئی تو عبداللہ بھی مسجد پہنچا۔ نماز ادا کر کے وہ تعلیم میں بیٹھ گیا۔ اسے شوق تھا اسلام کے بارے میں پڑھنے اور سمجھنے کا۔

عشا کی نماز کے بعد عبداللہ پھر تبلیغی جماعت والوں کے پاس گیا۔ وہ برآمدے میں بیٹھے فضائل اعمال کی تعلیم کر رہے تھے۔

''السلام علیکم!''

تعلیم مکمل ہونے کے بعد عبداللہ نے سلام کیا۔ سلام کا جواب اسے مل گیا۔

''یہ تمھارے دانت اتنے خراب کیوں ہیں۔'' سلمان بھائی نے پوچھا۔

''ہمارے دانتوں کو کیڑا لگ گیا ہے۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔ عبداللہ کی بات سن کر سلمان بھائی نے اپنی جیب سے ایک مسواک نکالی۔

''یہ لو، یہ مسواک ہے۔ اسے وضو کے ساتھ کرنا حضرت محمد ﷺ کی سنت ہے۔'' انھوں نے مسکراتے ہوئے عبداللہ سے کہا۔

''لکڑی تو مسوڑھے چھیل دے گی۔'' عبداللہ نے کہا۔ سلمان بھائی نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں، بالکل نہیں! بل کہ سفر کے وقت، سفر سے واپسی کے وقت، ہر وضو کے ساتھ، کھانے کے بعد، تلاوتِ قرآن کے وقت، سونے سے پہلے اور سو کر اُٹھنے کے وقت مسواک کرنا سنت ہے۔'' سلمان بھائی بولے۔

''اسے کیسے استعمال کروں؟'' عبداللہ نے کہا۔

''دائیں ہاتھ کی چھنگلی (سب سے چھوٹی انگلی) کو مسواک کے نیچے رکھو، انگوٹھے کو مسواک کے سرے پر رکھو اور باقی تین انگلیاں مسواک کے اوپر ہوں، پھر اسے پہلے اوپر دائیں طرف تین بار، پھر بائیں طرف تین دفعہ کرو۔ مسواک چھنگلی کے برابر موٹی ہو تو بہتر ہے اور انار اور بانس کے علاوہ ہر لکڑی کی مسواک درست ہے۔''

انھوں نے نرمی سے اسے سمجھایا۔ عبداللہ خوش ہوا اور مسواک لے لی۔

''اس کے فائدے یہ ہیں کہ ہر مرض سے شفا ہے سوائے موت کے اور موت کے وقت کلمہ شہادت یاد دِلانے والی ہے۔ منہ کی بدبو دور ہوگی، مسوڑھے مضبوط ہوں گے، بصارت تیز ہوگی، عمر بڑھانے کا وسیلہ ہے، معدے کو قوت ملے گی، پل صراط پر چلنے میں آسانی ہوگی اور دانت بھی صاف رہیں گے۔''

عبداللہ خوش ہو کر مسجد سے گھر گیا۔ اس نے گھر جا کر مسواک استعمال کی تو اُسے کافی خوش گوار احساس ہوا۔

اگلے دن ظہر کی نماز میں وہ پھر مسجد پہنچا تو اُسے پتا چلا کہ جماعت والے جا چکے ہیں۔ اسے بے حد دکھ ہوا، مگر خوشی ہوئی کہ اسے ایک سنت معلوم ہوگئی ہے۔ کاش وہ کچھ اور دِن رُک جاتے تو وہ ان سے مزید سنتیں بھی سیکھ لیتا۔

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔

اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۳۰ اپریل تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

۱ آپ ترکستان کے شہر ''فاراب'' کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''وسیج'' میں پیدا ہوئے۔ (ماضی میں ترکستان موجودہ ترکی کو کہا جاتا تھا)۔ آپ کا سن ولادت 870ء ہے۔

۲ آپ کے آباء واجداد ''فارس'' (موجودہ ایران) سے تعلق رکھتے تھے اور وہاں سے ہجرت کر کے ترکستان میں آکر آباد ہوئے تھے۔

۳ آپ نے ابتدائی تعلیم فاراب اور بخارا (موجودہ ازبکستان کے مشہور شہر) میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے عراق کے دارالحکومت بغداد چلے آئے۔ آپ نے بغداد میں رہ کر کئی زبانیں اور سائنسی علوم میں مہارت حاصل کی۔ اس وقت یہاں عباسی خاندان کی حکومت تھی۔ آپ نے عباسی خلفا کی خواہش پر یونانی علوم وفنون کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس طرح مسلمان یونانی علوم وفنون سے واقف ہوئے۔

۴ آپ نے سائنس، فلسفہ، منطق، طب اور ریاضی کے شعبہ جات میں عظیم کارنامے انجام دیے۔ علمی دنیا میں آپ کو ''معلمِ ثانی'' کہا جاتا ہے۔

۵ آپ نے ۸۰ سال کی عمر میں (۹۵۰ء میں) شام کے شہر دمشق میں وفات پائی۔

۴۔ طلیحہ اسدی

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

دراصل وہ لوگ جاننا چاہتے تھے کہ اسامہ ؓ کے جانے کے بعد مدینے کی فضا کیسی ہے۔ اس کے علاوہ حبال کے مدینہ منورہ جانے کا یہ بھی مقصد تھا کہ وہ دیکھ سکے کہ مدینے میں اب کتنے سپاہی موجود ہیں؟ کتنے قبائل اسلام کی حمایت میں اور کتنے قبائل اسلام کے خلاف ہیں؟

طلیحہ چاہتا تھا کہ جس طرح اس نے منکرین زکوٰۃ کو اپنے ساتھ ملالیا ہے ویسے ہی وہ اسلام سے منحرف قبائل کو زکوٰۃ کے منکرین کی طرح اپنے ساتھ ملا کر مدینہ منورہ پر حملہ کر کے قبضہ کرلے۔ ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے اپنے بھائی حبال کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔

جب حبال مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو اُسے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ شہر ایک طرح سے سپاہیوں سے خالی تھا۔ یہ تو وہ جانتا ہی تھا کہ اسامہ ؓ کا لشکر مدینہ منورہ سے جاچکا ہے۔

حضرت ابوبکر ؓ کو حبال کی آمد کا علم ہوا تو فوراً اُسے اپنے پاس بلوالیا۔ حضرت عمر فاروق ؓ بھی موجود تھے۔

اگرچہ حضرت عمر ؓ کو بھی آپ ﷺ نے لشکر اسامہ ؓ میں شامل فرمایا تھا، مگر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اسامہ ؓ سے خواہش کی تھی کہ ”اگر تم مناسب سمجھو تو عمر کو میرے پاس چھوڑ دو۔ مجھے ان کے مشورے کی ضرورت ہوگی۔“

حضرت اسامہ ؓ نے یہ بات خوشی خوشی مان لی تھی اور حضرت عمر ؓ کو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس چھوڑ دیا تھا، اس لیے حضرت عمر فاروق ؓ بھی وہاں موجود تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے رعب دار آواز میں فرمایا:

”کہو، تمھارا یہاں کیسے آنا ہوا؟ تم تو باغیوں میں سے ہو؟ پھر یہاں کیوں آئے؟ یقیناً تمھارا کوئی خاص مقصد ہے۔“

”امیرالمومنین! آپ میری فکر چھوڑیں اور مدینے کی فکر کریں۔“ حبال نے رعب میں آئے بغیر چالاکی سے جواب دیا۔ ”میں دیکھ رہا ہوں کہ مدینہ تو بالکل ویران ویران سا دکھائی دے رہا ہے۔ (بازار بند ہیں۔ مجھے تو) اہل اسلام کا شیرازہ بکھرتا نظر آرہا ہے۔“

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا:

”تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ اہل اسلام کی شان وشوکت باقی نہیں رہی یا یہ کہ ان کا شیرازہ بکھرتا جارہا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ تم نے یہ اندازہ کس طرح لگایا ہے؟ ذرا میں بھی تو سنوں؟“

حبال جانتا تھا کہ اس سے یہ سوال کیا جائے گا، اس لیے اس نے اس سوال کا جواب پہلے ہی سوچ رکھا تھا، لہٰذا فوراً کہنے لگا:

”جی ضرور، میں بتاتا ہوں۔ اصل میں مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ بہت سے قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا ہے۔ ان کے خیال میں یہ ایک طرح کی محکومی کا ہدیہ ہے۔“

اپنی بات کہہ کر وہ ابوبکر صدیق ؓ کی طرف دیکھنے لگا۔ غالباً اس کا خیال تھا کہ یہ بات سن کر ابوبکر صدیق ؓ گھبرا جائیں گے، مگر ہوا اس کے برعکس۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حبال کی بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اس سے پوچھا:

”تم ان (دوسرے قبائل) کی بات چھوڑو۔ اپنی بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟“

حبال نے جواب دیا:

”میں یہاں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو بتادوں کہ آئندہ ہمارا

قبیلہ، یعنی بنو اسد اور ہمارے حلیف (معاہدہ کر کے ساتھ دینے والے) قبائل آپ کو زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔‘‘

’’تم لوگ زکوٰۃ کیوں ادا نہیں کرو گے؟‘‘

حبال سے جب یہ سوال کیا گیا تو اُس نے بڑی بدتمیزی سے جواب دیا:

’’ہمارے نبی طلیحہ بن خویلد حیات ہیں۔ بنو اسد اور دیگر حلیف قبائل کو اُن پر مکمل اعتماد ہے اور یہ بات بھی درست ہے کہ آپ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو وصال ہو چکا ہے، مگر ہمارا نبی زندہ ہے، اس لیے ہم تو اپنے نبی کی بات مانیں گے (اور زکوٰۃ نہیں دیں گے۔)‘‘

حبال کا ایسا بدتمیزی بھرا جواب سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سختی سے فرمایا:

’’احکام الٰہی میں کسی بھی طرح کی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ اگر تم لوگوں کا یہ فیصلہ ہے تو (غور سے سن لو)، ہمارا بھی فیصلہ ہے کہ اگر تم لوگ زکوٰۃ میں سے اونٹ کی رسی دینے سے بھی انکار کرو گے تو میں تم سے جہاد کروں گا۔ یاد رکھو، زکوٰۃ، دین کا ایک اہم رکن (فرض) ہے اور کسی بھی رکن سے انکار کفر ہے۔‘‘

اس گفتگو کے بعد حبال وہاں سے چلا گیا۔ واپس جا کر اُس نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو خوش خبری سنائی:

’’مدینہ منورہ میں اس وقت بہت تھوڑے مسلمان موجود ہیں۔ زیادہ تر اُسامہ (رضی اللہ عنہ) کے لشکر کے ساتھ چلے گئے ہیں، اس لیے مدینہ منورہ پر حملہ کر کے قبضہ کرنا آسان ہے۔‘‘

’’وہ مارا!‘‘ حبال کی بات سن کر اُس کے قبیلے کے لوگ خوشی سے چلا اُٹھے۔ انھوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔

دوسری طرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے مدینہ منورہ کی حفاظت کا اِنتظام شروع کر دیا۔ ان کے کانوں میں حبال کے الفاظ ’’آپ میری فکر چھوڑیں اور مدینے کی فکر کریں‘‘ بار بار گونج رہے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر مسجد نبوی میں مسلمانوں کا اجلاس طلب کیا اور پہلا کام یہ فرمایا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کی سرکردگی میں مدینہ منورہ کے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے مقرر فرما دیے۔

جس قدر لوگ مدینہ منورہ میں موجود تھے ان سب کی حاضری مسجد نبوی میں لازمی قرار دے دی، تاکہ ہنگامی حالت میں لوگوں کو بآسانی خبر ہو جائے۔ اس سب کے ساتھ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اجلاس میں شریک تمام لوگوں سے فرمایا:

’’مسلمانو! یہ جو وفد یہاں سے گیا ہے یہ ہماری تعداد کی کمی کو دیکھ کر گیا ہے۔ یہ لوگ کسی بھی وقت ہم پر حملہ کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں بھی آس پاس کے، انھیں یہاں تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی اور چوں کہ ہم نے ان کی بات نہیں مانی، لہٰذا یہ لوگ ہم پر حملہ ضرور کریں گے۔‘‘

آپ رضی اللہ عنہ کی اس تقریر نے اہل مدینہ میں نئی قوت بھر دی اور اہل مدینہ، جنگ کی تیاری میں جٹ گئے، جب کہ حفاظتی دستے مدینہ منورہ کی سرحدوں پر چوکنے بیٹھ گئے۔

ابھی محض تین راتیں ہی گزری تھیں کہ مدینہ منورہ پر مرتدین نے رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ اپنی ایک جماعت کو وہ بطورِ احتیاط ذی حسیٰ کے مقام پر چھوڑ آئے تھے، تاکہ بوقت ضرورت وہ جماعت کام آئے۔

مدینہ منورہ پر حملہ ہونے پر حفاظتی دستوں نے مرتدین کو زبردست جواب دیا۔ مرتدین، اہل مدینہ کے جوابی حملے سے کافی حیران ہوئے۔ مدینہ منورہ کے حفاظتی دستوں نے ایک قاصد کو اُمیر المومنین کی طرف دوڑایا کہ وہ جلد از جلد اُنھیں حملے کی خبر دے۔ قاصد نے فوراً ہی یہ خبر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنچا دی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب بھیجا:

’’اپنی جگہ پر ثابت قدمی سے جمے رہو۔ میں مسلمانوں کو لے کر آ رہا ہوں۔‘‘

آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو اِکٹھا کیا اور اُنھیں لے کر مرتدین کو جواب دینے اور مدینے کا دفاع کے لیے روانہ ہو گئے۔ ابھی مرتدین اپنی حیرانی سے نکل بھی نہیں پائے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مزید سپاہیوں کے ساتھ پہنچ گئے اور زبردست حملہ کیا۔ مرتدین کی حیرت اب خوف میں بدل چکی تھی، اس لیے وہ واپس پلٹے اور ذی حسی کے مقام تک آ گئے۔ یہاں ان کے ساتھی پہلے سے ہی موجود تھے۔ مرتدین نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے لشکر میں اونٹوں کے آگے بڑی بڑی کپیاں (تانبے کے بڑے گولے، جو جنگ میں بطورِ ہتھیار اِستعمال ہوتے ہیں) لڑھکا دیں۔ اس سے مسلمانوں کے اونٹ بدک گئے۔ مسلمانوں نے اپنے اونٹوں کو قابو کیا اور مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

مرتدین یہ سمجھے کہ مسلمانوں میں اب مقابلے کی قوت نہیں رہی، اس لیے واپس چلے گئے ہیں، لہٰذا اُنھوں نے ذی القصہ کے مقام پر اپنے ساتھیوں کو مدینے پر حملے کی دعوت دی اور اُنھیں خوش خبری سنائی:

’’آؤ، مدینہ منورہ پر حملہ کریں۔ اسلامی لشکر ڈر کر واپس چلا گیا ہے، اس لیے اب ہم ہی فاتح ہوں گے اور مدینہ منورہ ہمارا ہوگا۔‘‘

دوسری طرف امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حکمت عملی کے تحت واپس پلٹے تھے۔ انھوں نے اپنی فوج کی مکمل تیاری دوبارہ کی اور رات کے وقت دشمن پر حملے کے لیے روانہ ہو گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیدل چل رہے تھے۔ فوج کے دائیں حصے کے سپہ سالار نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ، بائیں حصے کے سپہ سالار عبداللہ بن مقرن رضی اللہ عنہ، جب کہ پچھلے حصے پر سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا گیا۔

اسلامی فوج نے مرتدین کے سر پر پہنچ کر رات ہی رات میں صف بندی کر لی، انھیں معلوم ہی نہیں ہو سکا، صبح ہوتے ہی انھیں یہ بات معلوم ہوئی۔ ابھی وہ سنبھل بھی نہیں پائے تھے کہ اسلامی لشکر نے ان پر حملہ کر دیا اور انھیں قتل کرنے لگے۔ ابھی سورج بھی طلوع نہیں ہوا تھا کہ مرتدین شکست کھا کر فرار ہو گئے۔ طلیحہ کا بھائی حبال بھی قتل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا پوری ہوئی، یعنی حبال کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا۔

اہل اسلام کی مرتدین کے خلاف یہ پہلی اور مکمل فتح تھی۔ اس فتح کے بعد امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو وہاں چھوڑا اور واپس آ گئے۔

مرتدین پر فتح حاصل کرنے کے باعث مختلف قبیلوں کے سردار اپنی اپنی زکوٰۃ لے کر مدینہ منورہ آنے لگے اور نئے سرے سے اسلام قبول کرنے لگے۔ دیگر قبائل کے اسلام میں استقامت اور بہتری آ گئی۔ مدینہ منورہ میں مختلف قبائل کے وفود ملاقات کے لیے آنے لگے، اس سے مسلمانوں کی حالت مزید مضبوط ہو گئی۔

ایسے میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ بنوعبس اور بنوذبیان نے اپنے اپنے علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی تو قسم کھائی کہ ’’جب تک ان قبیلوں سے مسلمانوں کے ناحق خون کا بدلہ نہیں لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔‘‘

اس دوران میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر شان دار فتح حاصل کر کے مدینہ منورہ واپس پہنچ گیا۔ اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مزید اطمینان نصیب ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنا کر ان سے فرمایا:

’’اب تم لوگ کچھ دن آرام کر لو۔‘‘

پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود ایک فوج لے کر ذی القصہ کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا، تاکہ ان قبائل کو مسلمانوں کے قتل کی سزا دی جا سکے۔ اس پر چند بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

’’اے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ خود نہ جائیں۔ اگر خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا یا آپ زخمی ہو گئے تو ہم لوگوں کا انتظام باقی نہیں رہے گا، جب کہ آپ اگر یہاں رہیں گے تو اس سے دشمن پر رعب پڑے گا۔ آپ اپنے بجائے کسی اور کو بھیج دیں۔‘‘

اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

’’اے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالیے۔‘‘

اس واقعہ سے حضرت علی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے درمیان تعلق اور محبت کا بھی پتا چلتا ہے، جب کہ کچھ بدکردار لوگوں کا کہنا ہے کہ ان دونوں حضرات کے درمیان کشیدگی تھی۔

بہرحال، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بات نہیں مانی اور خود ہی روانہ ہونے کو پسند فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بنوعبس اور بنوذبیان کے قبیلوں کو شکست دے کر ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح جن لوگوں نے مسلمانوں کو ناحق قتل کیا تھا ان سے بدلہ لے لیا اور فتح کا پرچم لہراتے ہوئے واپس مدینے آ گئے۔ ......(جاری ہے)......

سوال آدھا، جواب آدھا ۱۸ کے درست جواب

1. سورۂ ملک۔
2. قطب الدین ایبک نے (جو ہندوستان میں خاندانِ غلاماں کی حکومت کے بانی تھے)۔
3. 29-
4. ترکی کے نامور امیر البحر (چیف آف دی نیول اسٹاف) ایڈمرل خیر الدین باربروسہ نے 1518ء میں بسایا تھا۔ یورپ کی بڑی بڑی بحری طاقتیں ان کے نام سے کانپتی تھیں!
5. بصرہ۔
6. یہ آلہ طیارے کی سطح زمین سے بلندی کی پیمائش کرتا ہے۔
7. بل فائٹنگ۔
8. تیز و تند ہوا کو کہا جاتا ہے۔
9. 8 فرلانگ (1760 گز)۔
10. مجرم کا سر منڈوا کر گدھے کی دم کی طرف منہ کر کے بٹھانا اور پھر پورے شہر میں گھمانا۔

ماسک لے لو

ماہ نور نعیم۔ ضلع بھکر

تپتی دوپہر میں سورج کی شعاعیں جیسے اس کے دماغ میں گھس رہی تھیں۔ ماتھے پر آئے پسینے کے قطرے آستین سے صاف کرتے ہوئے اسے اپنی آنکھوں میں بے پناہ جلن محسوس ہوئی تو سڑک کنارے بیٹھے اس لڑکے نے اپنے سامنے لکڑی کے چھوٹے کے تخت پر سجائی ماسک کی دکان پر ایک نگاہ ڈالی اور پاس رکھی عرقِ گلاب کی شیشی اٹھا کر آنکھوں میں اس کے قطرے ڈالے تو آنکھوں میں پہنچتی ٹھنڈک نے اسے گونا گوں سکون دیا۔

”معلوم نہیں آج کچھ بکری بھی ہوگی یا نہیں۔“ اس نے تفکر سے سامنے دوڑتی گاڑیوں پر ایک نگاہ ڈالی۔ لاک ڈاؤن کے پیشِ نظر چند ایک گاڑیاں ہی اسے سڑک پر نظر آ رہی تھیں۔

سڑک کنارے بیٹھا بدر، کل تک اسکول کی کتابوں میں گم رہتا تھا، مگر قسمت کی ستم ظریفی یا حالات کی سختی کہیے کہ آج یوں سرِ بازار تپتی دھوپ میں بیٹھا وہ ماسک بیچنے پر مجبور تھا۔

”توصیف!“ دور سے اپنے چھوٹے بھائی کو آتا دیکھ کر وہ چونک اٹھا۔ سڑک پار کر کے وہ اس کے قریب آیا تھا۔

”بھیا!“ اس کے پاس کھڑا اُس کا چھوٹا بھائی کچھ کہتے کہتے جھجکا۔

”بھیا! وہ امی نے کہا ہے کہ اگر کچھ پیسے ہیں تو دے دیں، ہارون کے لیے دودھ اور بسکٹ لینے ہیں۔ بخار کی حالت میں اب مزید بھوکا رہنا اس کے بس کی بات نہیں۔“ توصیف کی بات سن کر بدر نے لاچاری سے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر بیس روپے کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ توصیف خاموشی سے نوٹ تھام کر وہاں سے گھر کی جانب چل دیا۔

بدر کے والد کچھ دن پہلے اس دنیا سے چل بسے تھے، پورا ایک ماہ ہو گیا تھا انھیں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اسے وہ منظر یاد آ گیا جب ایک دن ابا کو سینے میں کچھ تکلیف ہوئی اور ٹھیک تین گھنٹے بعد گھر میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ واقعی موت کا وقت اور مقام مخصوص ہے، اور ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

اسے وہ وقت بھی یاد آیا جب بڑے سے گھر میں رہنے والے ماموں کو اُس نے اپنے ابا کی بیماری کا بتایا، مگر اُنھوں نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔

بدر اپنے ابا اماں اور دو چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ ماموں کے اس بڑے سے گھر کے پیچھے بنے ایک کوارٹر نما کمرے میں رہتا تھا۔

”ماسک لے لو۔“ اچانک سامنے سے گزرنے والی کار کو دیکھ کر اُس نے آواز لگائی، مگر کار کی تیز رفتاری میں اس کی آواز دب کر رہ گئی اور وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

”ایک تو یہ کار والے دس بیس روپے کا ایک ماسک بھی نہیں خریدتے۔“ اسے جی بھر کر غصہ آیا۔

”اگر ہر گھنٹے میں ایک ماسک بھی فروخت ہو جائے تو دس گھنٹوں میں سو روپے بن جائیں اور گھر کا خرچہ نکل آئے۔“

اس نے سوچا۔ ابا کی زندگی میں اس نے کبھی کسی بات کی فکر نہیں کی تھی، بس اپنی پڑھائی پر توجہ دیتا تھا، مگر اب حالات ایسے تھے کہ مجبوراً اسے یہ کام کرنا پڑ رہا تھا۔ ماموں سے تو کسی قسم مدد کی امید کرنا فضول تھا۔

شام تک پچاس روپے بنا کر وہ اپنا سامان اٹھائے گھر کی جانب چل دیا۔

”کیسے ہو بھئی؟“ گھر میں داخل ہوتے ہی ماموں زاد بھائی طارق نے اس سے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں الحمدللہ!“ مسکراتے ہوئے اس نے طارق بھائی سے سلام دعا کی۔

”آپ کب آئے؟“ اس نے استفسار کیا۔

”چند گھنٹے پہلے ہی آیا ہوں۔“ انھوں نے بتایا۔

طارق بھائی پڑھے لکھے انسان اور ایک آفیسر کی پوسٹ پر متعین ہیں۔ دو تین مہینے بعد جب بھی وہ گھر آتے ہیں، ان سے پُرتپاک انداز میں ملتے ہیں۔

”آپ آئیں نا! امی کے ہاتھ کی بنی چائے آپ کو بہت پسند ہے۔“ طارق بھائی کو اپنے ساتھ ہی وہ اپنے کمرے میں لے آیا۔ کچھ دیر بعد وہ پھوپھی کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

”کیا چل رہا ہے آج کل؟“ طارق بھائی نے پوچھا۔ پھوپھا کی وفات پر وہ ملک سے باہر تھے، لہٰذا شریک نہیں ہو سکے تھے۔

”بس بھائی!“ اس نے سر جھکا لیا۔

”بھیا ماسک کی دکان لگاتے ہیں۔“ توصیف نے تیز لہجے میں کہا تو وہ چونک کر پھوپھی جان کی جانب دیکھنے لگے۔

”مجھے افسوس ہے کہ میرے اور ابا کے ہوتے ہوئے بھی آپ کو یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں۔“ طارق بھائی نے افسردگی سے کہا۔

”ارے نہیں! پھوپھی نے مسکراتے ہوئے ان کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”میں بدر کو ایک دکان دلوا دیتا ہوں، اب یہ پھوپھا کی جگہ آپ لوگوں کا سرپرست ہے۔“ کچھ سوچ کر انھوں نے پھوپھی سے محبت بھرے لہجے میں کہا تو بے اختیار اُن کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

پھر جب انھوں نے اپنے نام جائیداد میں سے ایک دکان اس کے نام کرنا چاہی تو ماموں چلا اُٹھے:

”ہرگز نہیں، یہ تم کیا کرنے جا رہے ہو؟“ وہ غصے سے چلاتے ہوئے بولے۔

”آپ جانتے ہیں ابا جان! کہ یتیم کی کفالت کرنے پر ہمارے مذہب نے کتنی روشنی ڈالی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، پھر اپنی شہادت والی اور درمیان والی انگلی سے اشارہ فرمایا اور انھیں کشادہ کیا۔

(صحیح بخاری)

ماموں خاموش ہوگئے۔ آج تک انھوں نے اپنی چھوٹی بہن کی مالی مدد نہ کی تھی، بس انھیں اپنے گھر کے پیچھے ایک چھوٹا سا کمرا دے کر جیسے ان پر احسان عظیم کیا تھا۔

اگلی صبح طارق بھائی نے اپنی ایک بند دُکان پر بدر کو ماسک اور سینیٹائزر کا کافی سامان رکھوا دیا۔

”اب محنت سے کام کرنا۔“ شام تک اس کی چھوٹی سے دکان پر کافی سامان رکھوا دیا گیا۔ بدر نے غیر یقینی سی کیفیت سے دکان کی گدی والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا، جس نے اس مشکل وقت میں انھیں بے سہارا نہیں چھوڑا تھا۔

طارق بھائی نے آج اسے سارا کام سمجھا دیا۔ توصیف بھی بہت خوش تھا۔ طارق بھائی اور بدر بھائی کے ساتھ کام کرتے ہوئے وہ بہت خوش ہو رہا تھا۔

یاد رکھنا، محنت کے ساتھ سچائی کے بل بوتے پر ہی تم آگے بڑھ سکتے ہو، ورنہ دنیا میں جھوٹے لوگ جتنے چاہے پیسے کما لیں، مگر آخرت میں ایسے لوگوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا۔“ پیار سے سمجھاتے ہوئے انھوں نے کہا تو دونوں بھائیوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اگلی صبح دونوں بھائی خوشی خوشی ناشتا کرنے کے بعد اپنی دکان پر چلے آئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کا کاروبار اچھا چلنے لگا۔

”ماسک لے لو۔“ دکان ہونے کے باوجود بدر یہ آواز ضرور لگاتا ہے، اسے یہ آواز لگانے میں بہت مزہ آتا ہے۔

بقیہ: جھوٹ پکڑا گیا

ظہیر کا دل فون اٹھانے سے قبل تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ نہ جانے چچا کیا کہیں گے۔

”ہیلو بیٹے! کیا حال ہے؟“

”ٹھیک ہوں اور آپ سے سخت شرمندہ ہوں۔“

”بیٹے! میں تم سے بالکل ناراض نہیں ہوں۔ بس تمھیں سمجھانا چاہتا تھا کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ ایک جھوٹ بول کر کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اور پھر یوں انسان شرمسار بھی ہوتا ہے۔ سچ میں ایسی کشش ہے جو بیگانوں کو بھی اپنا بنا دیتی ہے۔“ چچا اسلم کی ان باتوں سے ظہیر کو یوں لگا جیسے وہ پھر سے بلندی میں اڑ رہا ہے۔

وہ سوچنے لگا کہ کوئی بڑا ایسے ہی تو بڑا نہیں بن جاتا۔ درگزر کرنے اور محبت کرنے والے کیوں نہ عظیم بنیں؟ عظمت تو ہوتی ہی ان لوگوں کے لیے ہے۔

وہ ایک ایک کا نام پکار کر کلاس سے باہر کھڑا کر رہے تھے۔ لمبی قطار میں لڑکے سر جھکائے کھڑے تھے کہ سر جمال علوی سامنے آئے اور مزید ڈانٹ پلائی۔ جھکے ہوئے سر کچھ مزید جھک گئے، کچھ چہرے کھسیانی ہنسی ہنسنے لگے، مگر میں تو شرم سے پانی پانی ہو رہا تھا۔ آج پہلی مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ میں بروقت فیس نہیں جمع کروا سکا تھا، مگر سر نے ایک آدھی بھی نہ سنی اور لاسٹ وارننگ دے کر اِسکول کے گیٹ سے نکال باہر کیا تھا۔

”سوکھی کے ساتھ گیلی بھی جلتی ہے“ آج سمجھ میں آیا تھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا کہ کانوں میں آواز پڑی: ”جاؤ اور جا کر اَبھی فیس لا کر جمع کراؤ، جس کی بھی فیس باقی ہوگی اسے امتحانی ہال میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔“

سب طلبہ اپنی اپنی راہ چل دیے۔ غائب دماغی سے چلتے ہوئے خلافِ معمول آج میں سڑک والے راستے کو چھوڑ کر براستہ ندی آ گیا تھا اور مجھے خبر تک نہ ہوئی تھی۔ اس راستے سے آنا خود کو موت کے منہ میں دھکیلنے والی بات تھی، کیوں کہ اس راستے پر کتوں کے چاق و چوبند دستے آنے والے کے استقبال کے لیے ہر وقت مستعد رہتے تھے اور جب تک آنے والے کو دوڑا دوڑا کر تگنی کا ناچ نہ نچا لیتے جان بخشی مشکل ہوتی تھی۔

میں نے تو اپنے ناتواں کاندھوں پر کتابوں کا بوجھ بھی اٹھا رکھا تھا، سو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا بھی محال تھا۔ خیر اَب آ گیا تھا تو چلتا رہا، مگر آگے کا منظر ہی عجیب تھا۔ آج کتے مجھے دوڑانے کی بجائے خود اِدھر سے اُدھر دوڑ رہے تھے اور میری طرف دیکھ کر بھونکنے کی بجائے کسی دوسری ہی سمت دیکھ کر بھونکے جا رہے تھے۔ بہت عجیب لگا کہ وہ کتے جو، ہمیشہ قصابوں کی دکانوں کی دہلیز پر ہی بیٹھے نظر آتے تھے، آج وہ بھی اس بھاگ دوڑ میں شریک تھے۔

آگے بڑھا تو مختلف پرندوں کی آوازوں میں کوؤں کی کائیں کائیں نمایاں انداز میں سماعتوں سے ٹکرائی اور میں سوچنے لگا کہ یہاں تو صرف فاختہ، کوئل، چڑیا، مینا، کبوتر اور توتوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، کوے تو اِن درختوں سے راہِ فرار اختیار کر چکے تھے اور گھروں کی منڈیروں اور بالکونیوں پر بیٹھ کر عورتوں کی باتیں سنتے اور چھینا جھپٹی کرتے دکھائی دیتے تھے، آج یہاں کیسے؟ وہ درخت جن پر ہر وقت پرندوں کے جھرمٹ رہتے تھے آج خالی خالی نظر آ رہے تھے اور پرندے غول دَر غول فضاؤں میں اڑ کر شور مچاتے نجانے خوشی کی نوید سنا رہے تھے یا خطرے کی گھنٹی بجا رہے تھے۔ مجھے یہ سب دیکھ کر بہت حیرانی ہوئی، کچھ خطرے کا احساس تو ہوا، مگر میں سر جھٹک کر چلتا رہا۔

اللہ کا اشارہ

عبدالباسط ذوالفقار۔ مانسہرہ

خود پہ بیتے لمحات کی سچی داستاں

جب بازار کے قریب پہنچا تو ایک عجیب سی آوازسی سنائی دی جو اِس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ ایک گلی سے گزرا جہاں تین تین، چار چار منزلہ عمارات تھیں۔ ایک لمحے میں کسی کی گرل اکھڑ کر زمیں پر آرہی تھی تو کسی کی چھت، کسی عمارت کی دیواریں اڑ رہی تھیں تو کسی کے دروازے، کھڑکیاں۔ عجب قیامت کا سماں تھا۔ پیچھے مڑ کر جو دیکھا تو جو عمارت ابھی چند منٹ پہلے صحیح سلامت تھی، وہاں اب عمارت تو نہیں تھی، البتہ گرد وغبار سے چیخ وپکار کی آواز ضرور آرہی تھی۔ کہیں کسی عمارت کی منزل سے پانی کی طرح خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں تو کہیں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ سڑک پر بڑی بڑی گاڑیاں یوں ہل رہیں تھیں جیسے ہوا سے پردہ ہلتا ہے۔ میری یہ حالت تھی کہ ’’کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔‘‘ یوں لگ رہا تھا کہ اب گرا کہ تب گرا۔ گلا خشک، آنسوؤں کی لڑی، آواز بند، لب سلے ہوئے، جاؤں تو جاؤں کہاں؟ ’’آگے کنواں، پیچھے کھائی‘‘ والی کیفیت تھی۔ قیامت کا سماں تھا۔ زمیں تھی کہ تھرتھراہٹ سے تھک ہی نہیں رہی تھی۔ بڑی بڑی عمارتیں اور گاڑیاں جھولے جھول رہی تھیں۔ سڑک پر ہر طرف سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ ہر کوئی اپنی جگہ پر برف کی طرح جما ہوا تھا۔ چند منٹوں بعد اکا دکا کوئی گاڑی ہارن بجاتی پاس سے گزر جاتی۔ ہارن کی آواز چیخ وپکار سے مل کر ڈراونی آواز میں بدل کر ماحول میں مزید سنسنی پھیلا رہی تھی۔ لاشوں اور زخمیوں کو طبی امداد کے لیے ہسپتال منتقل کیا جا رہا تھا۔ کچھ لوگ قبلہ رخ کھڑے اذانیں دے رہے تھے۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ بہت سے سوال تھے جن کے جواب نہیں تھے۔ بے وقت اذانیں کیوں دی جا رہی ہیں؟ ہر طرف افراتفری، دھواں، اندھیرا، چیخ وپکار، آہ وبکا کیوں ہے؟ کیا قیامت آگئی ہے؟

میں سوچنے لگا کہ کیا ان پرندوں کو خبر ہوگئی تھی کہ انسانوں پر عذاب آنے والا ہے؟ کیا تب ہی انسانوں سے دور، وہاں پرندے اور جانور جمع تھے۔ بہرکیف! میں گرتا پڑتا اپنی مطلوبہ جگہ پر والد محترم کے پاس پہنچا اور ساتھ بھائی کو دیکھ کر اُن سے لپٹ گیا۔ میرے گلے میں پھنسے کانٹے اور پھانس نکل چکا تھا۔ میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ کبھی چھوٹی بہنوں کی فکر کھاتی تو کبھی بوڑھی اماں کی یاد آجاتی۔ کبھی امی جان کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آتا تو کبھی خون میں لتھڑے لوگ نظر آتے۔ میں گویا قیامت دیکھ آیا تھا۔ عجب خوف طاری تھا۔ مجھے ہر کسی سے ڈر لگ رہا تھا۔ میں بھاگنا چاہتا تھا، مگر قدم جکڑے ہوئے سے محسوس ہو رہے تھے۔ کسی عمارت کے پاس سے گزرتا تو لگتا کہ یہ ابھی مجھ پر گرے گی۔ یہ بجلی کے تار ابھی مجھے اچک لیں گے، ابھی زمین پھٹے گی اور مجھے نگل لے گی۔ سب کچھ بچا کھچا بھی ملیا میٹ ہونے والا ہے۔ اسی وحشت کے عالم میں دو بندے مجھے بازوؤں سے پکڑے لے جا رہے تھے۔

اللہ اللہ کر کے ہم گھر پہنچے۔ اب باقی ماندہ رشتے داروں کی فکر ہوئی کہ نجانے وہ کس حال میں ہوں گے؟ ہم سب بخیریت تھے اور کھیتوں میں منتقل ہو چکے تھے۔ زلزلے نے ہر طرف افراتفری مچا کر مغروروں کے غرور کو خاک میں ملا کر بلند وبالا عمارات، فلک بوس پلازوں، (جنھیں بناتے وقت یقیناً کسی نے سوچا تک نہ ہوگا کہ اللہ کے ایک امر ’’کن‘‘ سے سب مٹی ہوجائے گا، فنا ہوجائے گا) کو سجدے میں گرا کر، اللہ کی وحدانیت کو چہار سو پھیلا کر لوگوں کو بتا دیا کہ سب کچھ ختم ہوجائے گا، صرف اللہ کا نام باقی رہے گا۔

ادھر گھر کے افراد سب جمع ہوگئے تھے۔ ’’ٹیلی فون‘‘ خراب تھا۔ اس وقت موبائل بھی کم ہی کسی کے پاس تھا۔ اڑوس پڑوس کی خبریں آتی رہیں اور زلزلے کے جھٹکے بھی یکے بعد دیگرے محسوس ہوتے رہے۔ شام کو ٹیلی فون لائن بحال ہوئی تو عزیز واقارب کی خبریں آنا شروع ہوگئیں۔ کہیں کوئی زخمی تھا تو کہیں کوئی اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ کہیں کسی کی لاش ابھی تک ملبے تلے دبی تھی تو کہیں کوئی ابھی تک گم تھا اور تلاش جاری تھی۔ مجموعی اعتبار سے بحمداللہ خیریت رہی تھی۔ سب کوٹھی بنگلوں والے اور کچے مکانوں والے ایک ساتھ کھلے میدانوں میں جمع ہوگئے تھے۔

سب پر یہ عقدہ وَا ہوگیا تھا کہ کوٹھی بنگلے والا ہو یا پھر کچے جھونپڑے والا، سب نے ہی ایک دن سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یوں ہی بارگاہِ رب ذوالجلال میں جمع ہونا ہے۔ مساجد اور خیر کے مراکز آباد ہو چکے تھے۔ لوگ اذان کی آواز پر کھنچے چلے آتے تھے۔ کچھ دن یہ سلسلہ رہا، مساجد آباد رہیں، پھر آہستہ آہستہ لوگ دور ہوتے گئے۔ جوں جوں دن گزرتے گئے غفلت کے بادل سایہ کرتے رہے اور لوگ غفلت کی چادر اُوڑھ کر اللہ تعالیٰ کو بھول بھال کر پھر اُسی پرانی ڈگر پر چل پڑے اور دنیاوی آسائش وآرام کی کوششوں میں جت گئے۔ اب مسجدوں میں پہلے جیسا جم غفیر تو نہیں ہوتا تھا، البتہ کچھ لوگ باقاعدگی سے آنا شروع ہوگئے تھے۔ زلزلے کے جھٹکے اب بھی محسوس ہوتے تھے۔ رات کے کسی پہر، کبھی دن میں کسی پل، یاد دہانی ضرور کرائی جاتی تھی کہ: ’’اے غافل انسان! اپنے رب کی طرف رجوع کر، اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔‘‘

مجھے لگتا تھا کہ اب لوگوں کی زلزلے سے دوستی ہوگئی ہے اور لوگ زلزلے کے جھٹکوں سے مانوس ہوگئے ہیں۔ پہلے پہل جب زلزلے کا

بقیہ صفحہ نمبر 38 پر

قرآن کوئز ۸

سعد علی چھیپا۔ کراچی

عزیز قارئین! پیشِ خدمت ہے ایک نیا انعامی سلسلہ بنام ''قرآن کوئز''، جس میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ''قرآن کریم'' کے بارے میں پانچ سوال پوچھے جائیں گے۔ صحیح جواب دینے پر آپ کو ملے گا بہترین انعام......

تو دیجیے جواب اور لیجیے انعام......

آپ کا جواب کوپن کے ساتھ ۳۰، اپریل، ۲۰۲۱ء تک ہمیں مل جانا چاہیے۔

سوال

1. قرآن کریم میں بہترین مشروب کس چیز کو کہا گیا ہے؟
2. کس سورت میں سب سے زیادہ انبیا علیہم السلام کے نام آئے ہیں؟
3. قرآن کریم کی کس آیت میں سب سے زیادہ اسماء الحسنیٰ آئے ہیں؟
4. قرآن مجید کی کون سی سورت سب سے آخر میں نازل ہوئی؟
5. قرآن مجید میں کون سا حرف سب سے کم استعمال ہوا ہے؟

دعا کی برکت

قرۃ العین ہاشمی ۔ لاہور

’’ہائے اللہ! بہت پریشانی ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آتا۔‘‘

ستارہ کی ماں نے ہمیشہ کی طرح واویلا مچاتے ہوئے کہا۔ دادی جان نے ناگواری سے ان کی طرف دیکھا۔

’’کتنی بار کہا ہے کہ اس طرح ناشکرے پن کی باتیں مت کیا کرو۔‘‘ دادای جان نے بہو کو ٹوکا۔

’’اماں! آپ کو کیا پتا کہ کیسے حالات ہیں۔‘‘

ستارہ کی ماں نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ دس سال کی ستارہ ابھی پارہ پڑھ کر واپس آئی تھی۔ ماں اور دادی کو بحث کرتا دیکھ کر جلدی سے چھت کی طرف جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

’’تم کہاں جارہی ہو؟‘‘ دادی جان نے ستارہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

’’دادی جان! چھت پر بھیا پتنگ اڑا رہے ہیں۔‘‘ ستارہ نے پُرجوش انداز میں کہا۔

’’خبردار! لڑکوں میں تمھارا کیا کام ہے۔ یہاں آکر بیٹھو اور آج کا سبق سناؤ۔‘‘

دادی جان نے کہا تو ستارہ بے دلی سے چلتی دادی جان کے پاس آئی اور پاس بیٹھ کر دادی جان کو آج کا سبق سنانے لگی۔

’’شاباش!‘‘

دادی جان نے خوش ہو کر اُسے دس روپے کا نوٹ پکڑایا تو ستارہ خوش ہوگئی۔ ستارہ کو دادی جان کا حوصلہ افزائی کرنا بہت اچھا لگتا تھا۔ ستارہ خوشی خوشی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور اپنی بہن کنول کے ساتھ کھیلنے لگی۔

ستارہ اپنے والدین، دادی، بڑے بھیا اور چھوٹی بہن کنول کے ساتھ فیصل آباد میں رہتی تھی۔ اس کے ابا کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ گھر میں روپے پیسے کی کمی نہیں تھی، مگر ستارہ کی ماں کو ناشکرے پن کی عادت تھی۔ وہ ہر وقت چیزوں کی کمی کا رونا روتی رہتی۔ دادی جان اسے سمجھاتیں، کبھی ٹوکتیں، مگر ستارہ کی ماں نہیں سمجھتی تھی۔

کچھ عرصے کے بعد حقیقتاً حالات بہت خراب ہوگئے۔ ستارہ کے ابا کے کام کو شدید نقصان پہنچا۔ چلتا کاروبار گھاٹے میں جانے لگا، جس کے اثرات گھر پر بھی پڑے۔ جب واقعتاً چیزوں کی کمی کا سامنا کرنا پڑا تو

ستارہ کی ماں کو عقل آئی۔

''دیکھا ہر وقت کے ناشکرے پن کا نتیجہ!'' دادی جان نے کہا تو ستارہ کی ماں شرمندہ ہوگئی۔

''اماں! غلطی ہوگئی۔ اب کیا کروں؟'' ستارہ کی ماں نے پریشانی سے سوال کیا۔

''بیٹی! اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، وہ سننے والا ہے۔'' دادی جان نے پیار سے کہا۔

''اور تمھارا پروردگار کہہ چکا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمھاری التجائیں قبول کروں گا۔'' (المومن:۶۰)

دادی جان نے آیت کا ترجمہ سنایا، مگر ستارہ کی ماں نے پریشانی میں غور نہیں کیا۔ اسی طرح دن گزرنے لگے۔ حالات خراب سے خراب تر ہونے لگے۔ ایک دن ستارہ کے والد نے کہا کہ ایک کاروباری ڈیل کرنی ہے، اگر اُس میں کام یابی مل گئی تو حالات کی تنگی دور ہوجائے گی، ان شاء اللہ!

اب ستارہ کی ماں ہر وقت پریشان رہتی، پرانے وقت کو یاد کرتی، مگر وہ دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانگ رہی تھی۔

......☆......

''ستارہ اور کنول! تم دونوں میرے ساتھ نماز پڑھا کرو اور اپنے ابو کے لیے خاص دعا کیا کرو۔''

ایک دن دادی جان نے دونوں بچیوں کو پاس بلا کر کہا تو دونوں نے جھٹ سر ہلا دیا۔ ستارہ کی ماں اکثر دیکھتی کہ دونوں بچیاں، دادی جان کے ساتھ باقاعدگی سے نماز پڑھتی اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتی ہیں۔ ان کی دعائیں رنگ لائیں اور ستارہ کے ابو کی ڈیل کام یاب ہوگئی۔ اس دن وہ گھر آئے تو مٹھائی کا ڈبا ہاتھ میں تھا۔

''دیکھی دعا کی برکت! اللہ تعالیٰ دل سے اور خلوصِ نیت سے مانگی گئی دعائیں ضرور سنتا ہے۔'' دادی جان نے کہا تو ستارہ کی ماں نے سر ہلا دیا۔

''بالکل اماں! میں نے دعا کی برکت دیکھ لی ہے۔'' ستارہ کی ماں نے مسکرا کر کہا۔ اس دن کے بعد سے ستارہ کی ماں نے پھر ناشکری نہیں کی۔

اور دونوں بچیوں کو بھی ساری زندگی کے لیے یہ سبق مل گیا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی چاہیے، کیوں کہ دعا ضرور سنی جاتی ہے۔ دعا پر اُن کا یقین بہت مضبوط ہوگیا۔

پیارے بچو! ہمیں بھی ہر مشکل، پریشانی اور تکلیف میں دعا ضرور مانگنی چاہیے۔ بے شک دعا خیر ہی خیر ہے۔

بقیہ: بلاغرض مدد

پر اپنی اپنی داستان لکھی تھی۔ اسد مطمئن، خوش حال اور خوش باش دکھائی دے رہا تھا، جب معاذ مضمحل اور خاموش تھا، جیسے زندگی نے اسے تھکا دیا ہو۔ اسد کے کہنے پر کہ پہلے وہ اپنے بارے میں بتائے کہ آج وہ کس مقام پر ہے؟ معاذ کہنے لگا:

''عملی زندگی کے آغاز میں جب انسان میں ہمت اور طاقت ہوتی ہے اور ایک جذبہ ایک مقصد ہوتا ہے تب وہ مشکلات کا سامنا کرنے اور کچھ بھی سہہ جانے کا حوصلہ رکھتا ہے، مگر جوں جوں عمر ڈھلتی جاتی ہے، ہمت کم ہوتی جاتی ہے۔

میرے پاس دنیا کی ہر نعمت ہے، مگر تنہائی اور اکیلے پن نے مجھ سے جینے کی لگن چھین لی ہے۔ اب عمر کے اس دور میں تنہائی کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ زندگی کا یہ سفر کب ختم ہوجائے کچھ پتا نہیں۔'' اس کے لہجے میں دکھ اور اذیت نمایاں تھی، پھر معاذ، اسد کو دیکھ کر کہنے لگا: ''لگتا ہے، زندگی نے تمھیں ہر نعمت سے نوازا ہے۔ تمھارا مسکراتا چہرہ اور روشن آنکھیں اس بات کو ظاہر کر رہی ہیں۔'' معاذ کی بات سن کر اسد مسکرایا اور کہنے لگا:

''زندگی میں ایک مقصد کے تحت جینے والے کبھی مایوس اور اداس نہیں ہوتے۔ وہ لوگ جو بے غرض ہو کر دوسروں کے لیے کام کرتے ہیں انھیں کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی کے ذریعے صلہ مل ہی جاتا ہے۔ میں ملازمت کرنے کے ساتھ ساتھ ایک فلاحی ادارہ چلاتا رہا ہوں، جہاں معاشرے کے ستائے ہوئے افراد کو نہ صرف آسرا دیا جاتا ہے، بل کہ انھیں کوئی ہنر سکھا کر معاشرے کا کارآمد فرد بنایا جاتا ہے۔

تمھیں سعد یاد ہے، وہ غریب بچہ جو اسکول کے وظائف پر تعلیم حاصل کر رہا تھا تم اس سے چڑتے تھے اور بلاوجہ اسے پریشان کیا کرتے تھے، آج ماشاء اللہ اس کا شمار ملک کے بہترین ''ہارٹ اسپیشلسٹ'' میں ہوتا ہے۔ میں آج کل اسی کے ساتھ رہ رہا ہوں۔ وہ میرا بے حد خیال رکھتا ہے۔ اس کے بیوی بچے میری بے حد عزت کرتے ہیں۔ مجھے تنہائی اور اکیلے پن کا احساس نہیں ہونے دیتے۔''

معاذ حسرت سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگا:

''تمھارے بیوی بچے نہیں ہیں کیا؟'' اسد اُداسی سے مسکرایا اور کہنے لگا:

''بیوی کا انتقال ہوگیا تھا۔ اللہ نے مجھے اولاد کی نعمت سے نہیں نوازا، لیکن میں اس رب کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتا جس نے مجھے سعد کی صورت میں زندگی گزارنے کا سہارا دے دیا۔ اس کے بچے مجھے تایا جان کہتے ہیں۔ کسی کے لیے بے غرض ہو کر، بغیر کسی لالچ کے نیکی کا یہ اجر اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا کہ آج میں بے اولاد ہو کر بھی ایک گھر، ایک خاندان میں زندگی گزار رہا ہوں اور تم جو ہمیشہ صرف اپنے لیے جیتے رہے، آج اکیلے ہو۔''

معاذ نے اسد کی بات سن کر سر جھکا لیا، کیوں کہ یہی سچائی تھی۔

دربار میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔

بادشاہ سلامت شیر، جنگل کے حکمران کافی دیر خاموش رہنے کے بعد اپنے سپہ سالار گینڈے سے مخاطب ہو کر گرج دار آواز میں بولے:

''ہم نے بہت سوچا ہے۔اب اس کے علاوہ کوئی اور حل نہیں کہ بندروں کو ختم کر دیا جائے۔میں یہ بھی یہ جانتا ہوں کہ ہمارے اس اعلان سے جنگل میں سراسیمگی پھیل جائے گی،اس لیے سپہ سالار صاحب! آپ فوج کو اِکھٹا کریں،تاکہ ہماری وزیر لومڑی ہماری فوج کو اِس جنگ کے لیے تیار کر سکے۔ہم جانتے ہیں،ہماری وزیر کی زبان میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ہماری فوج کے اعتراضات کو ختم کر سکے اور اُسے اس جنگ کے لیے تیار کر سکے۔''

''لیکن بادشاہ سلامت! بندروں نے کچھ غلط نہیں کہا۔اگر آپ تحقیق کریں تو ہرن کی نسل ختم ہونے کے قریب ہے۔اب وقت آگیا ہے کہ آپ شکار کی کثرت کو کم کر دیں۔'' ریچھ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''خاموش!'' شیر کی گونج دار آواز گونجی۔''اب ایک ریچھ ہمیں بتائے گا کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ختم کر دو اِس گستاخ کو،اس نے بادشاہ کی بات سے اختلاف کیا ہے۔'' شیر کا حکم سنتے ہی بھیڑیا آگے بڑھا اور ایک ہی وار میں ریچھ کا کام تمام کر دیا۔شیر غیظ وغضب سے چنگھاڑ رہا تھا۔

''چن چن کے ختم کر دو اِن بندروں کو،کوئی بندر نہیں بچنا چاہیے،نسل ختم کر دو اِن کی۔'' شیر کی چنگھاڑتی آواز گونج اٹھی۔''حکم کر دو ہماری فوج کو،ابھی نکل پڑیں۔میں آج کا دن ختم ہونے سے پہلے ان بندروں کا نام ونشان مٹانا چاہتا ہوں۔'' گینڈا،شیر کی بات ختم ہوتے ہی تیزی سے درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھ گیا جہاں فوجی چھاؤنیاں تھیں۔

......☆......

''باادب باملاحظہ ہوشیار! وزیر لومڑی ایک ضروری اعلان کرنے والی ہیں،سب اس طرف متوجہ ہو جائیں۔'' گینڈے کی اونچی آواز سُن کر فوج میں خاموشی پھیل گئی۔لومڑی نے چالاکی سے آنکھیں گھماتے ہوئے اپنی بات کا آغاز کیا۔

''بادشاہ سلامت نے بندروں کا قتل عام کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔کل صبح تک وہ جنگل کو بندروں سے خالی دیکھنا چاہتے ہیں۔بادشاہ سلامت نے یہ حکم دینے سے پہلے بہت سوچا ہے،لیکن انھیں کوئی اور حل نہیں ملا۔آپ سب جانتے ہیں کہ بندر ہمیشہ سے انسانوں کی نقل کرتے ہیں،اس کے باوجود کہ ہم جنگل

مظلوم کی فتح

عمارہ ملک۔؟

کے باسی ہیں اور ہماری الگ روایات سے ہماری شان ہے، بندروں نے ہمیشہ اپنی روایات سے، رسم و رواج سے اس انسان کی پیروی کر کے ہماری جنگلی شان کو مٹی میں ملایا ہے۔'' لومڑی اپنی بات کو جوش سے بڑھاتے ہوئے بولی:

''لیکن ہمیشہ بادشاہ سلامت نے ایک اچھے حکمران کی طرح انھیں اس جنگل میں رکھا ہے، ان کی حفاظت کی ہے، لیکن خود کو اِنسانوں کے جانشین سمجھنے والوں نے بادشاہ سلامت کے خلاف بغاوت کا علم اٹھایا ہے۔ ان بندروں نے بادشاہ سلامت سے، اس جنگل کے راجا سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ آپ ہمارے جنگل سے جانوروں کا شکار کرنا بند کر دیں اور بادشاہ سلامت پر یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ آپ کی کثرتِ شکار کی وجہ سے ہرن کی نسل ختم ہونے والی ہے۔ اتنے بڑے الزام کے بعد ہم سب کے ساتھ مشورہ کر کے بادشاہ سلامت نے یہ حکم دیا ہے کہ بادشاہ سلامت پر اِعتراض کرنے والوں اور اِلزام لگانے والوں کو انھیں کی زبان میں جواب دیا جائے، لہٰذا اب وقت آ گیا ہے کہ جنگل کی فلاح کے لیے بندروں کی نسل ختم کر دی جائے۔ آپ سب ابھی نکلیں اور جنگل کی روایات کو بچانے کے لیے جو کچھ کر سکتے ہیں کر دِکھائیں۔ آپ اگر اِس جنگ میں ہار گئے تو میں سمجھوں گی کہ آپ کے لیے جنگل اور جنگل کی روایات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔'' لومڑی نے اپنی بات ختم کر کے سب کے چہروں پر نظر دوڑائی۔ سب کے چہروں پر طیش تھا۔ اس نے اطمینان کی سانس لی۔

☆......

جنگل میں بندروں کے درمیان سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی۔ جنگل کے تقریباً ہر درخت کے نیچے ایک بندر کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ فوج دھڑا دھڑ بندروں کا قتلِ عام کیے جا رہی تھی۔ جو بچ گئے تھے وہ درختوں کی شاخوں پر خوف سے لٹکے ہوئے تھے۔ ذرا سی آہٹ سے سہم سہم جاتے اور گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے۔

ننھا بندر واگو خوشی سے اپنا بستہ ہلاتے اسکول سے واپس آ رہا تھا۔ ایک شاخ سے دوسری شاخ کو پھلانگتے ہوئے وہ اچھل کر زمین پر آ گیا۔ سامنے ہی ایک گینڈا کھڑا خوں خوار نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ واگو نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، لیکن اس کے تیور دیکھ کر سہم کر تھوڑا پیچھے ہٹ گیا، لیکن گینڈے نے اسے بھاگنے کا موقع دیے بغیر آگے بڑھ کر اپنا سینگ اس کے پیٹ میں اتار دیا۔ واگو کے منہ سے ایک دردناک چیخ بلند ہوئی۔ گینڈے نے انتہائی سفاکی کے ساتھ اسے جھٹکا اور واپس مڑ گیا۔

دور کسی شاخ سے لپٹ کر بیٹھی ہوئی واگو کی ماں تڑپ اٹھی: ''یہ واگو کی آواز تھی، واگو چیخ رہا ہے۔'' یہ کہتے ہی اس نے درخت سے چھلانگ لگائی اور اِسکول کی طرف بھاگنے لگی۔ اس کے پیچھے بندر اُسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔

اب سب خاموش تھے، لاش کے گرد بیٹھے ہوئے واگو کی ماں کی چیخیں سن کر درد سے آنکھوں میں آئے آنسو چھپاتے۔ واگو کی ماں دکھ سے نڈھال ہو کر اپنا سر زمین پر رگڑتی۔ سورج جانے کی تیاریوں میں تھا اور جنگل درد کی ہواؤں سے بوجھل ہو چکا تھا۔

زمین پر ہر جگہ بندروں کی لاشیں بکھری ہوئی تھی۔ ماؤں کے لال زندگی سے منہ موڑے سو رہے تھے۔ فضا اتنی بوجھل تھی کہ سانس بھی آہ بن جاتی۔

''میرا بیٹا ابھی تک واپس نہیں آیا۔'' بھر بھری نے ہچکیاں لیتے ہوئے ساتھ والی شاخ پر بیٹھی ہوئی بندریا سے کہا۔ ''آ جائے گا۔'' اس نے بھیگے لہجے میں تسلی دی۔ اچانک سامنے سے شمرا آتی دکھائی دی، اس کے ہاتھوں میں اس کا بیٹا تھا جس کا سَر کٹا ہوا تھا۔ روتے روتے وہ غش کھا کر گر پڑی۔ شاخ پر بیٹھی ہوئی وہ دونوں ہچکیاں لے لے کر رونے لگیں۔

سب بندر اخروٹ کے درخت پر جمع تھے۔ رو رو کر اُن کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ مائیں نڈھال بیٹھی تھیں۔ بندروں کے علاوہ اور بھی جانور اور پرندے ان کے ساتھ تھے، جن میں کوے، الو، خرگوش، ہرن اور بارہ سنگھے شامل تھے۔ ایک شاخ پر چند کبوتر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

''کچھ بتانے کی ضرورت نہیں، آپ لوگ سب جانتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔ میں آپ کے سامنے اس بات کا حل نکالنے آیا ہوں کہ اس سب کو کیسے روکا جائے۔ جیسا کہ آپ سب جانتے ہے کہ یہ بات انسانوں کی پیروی سے شروع ہوئی۔ خاص ذرائع کا کہنا ہے کہ بادشاہ سلامت نے قتلِ عام کا حکم دیتے ہوئے کہا ہے کہ بندر اِنسانوں کی نقل کرتے ہوئے جنگل کی روایات کو مسمار کر رہے ہیں۔ میرے خیال میں جنگ چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، اپنوں کے بغیر نہیں جیتی جا سکتی۔ ہمیں یہ جنگ ہر حال میں جیتنی ہے۔ بات یہ نہیں کہ میں بندروں کی نسل سے تعلق نہیں رکھتا تو میں بچ جاؤں گا، بات یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں ہمارا جنگل قائم رہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے جنگل میں ناانصافی ہو، اس لیے ہم کبوتر کے ذریعے افریقہ میں بندر برادری کو پیغام بھیج رہے ہیں، تاکہ وہ اپنی برادری کے شانہ بشانہ کھڑے ہو سکیں۔'' کوے نے اپنی بات ختم کی تو سب اس کی تائید کرنے لگے۔

بقیہ صفحہ نمبر 17 پر

جھوٹ پکڑا گیا

رانا محمد شاہد۔ بورے والا

ظہیر کے چچا کا شمار ملک کے چند مشہور مصنفین میں ہوتا تھا۔ بچے، بوڑھے، جوان، غرض ہر عمر کے افراد اُن کی تحریروں کے شیدائی تھے۔ ان کی تحریروں کی مقبولیت کی خاص وجہ ان کا اندازِ تحریر تھا۔ وہ اتنے ہلکے پھلکے انداز میں کہانی کا تانا بانا بنتے کہ قاری اس کے سحر میں جکڑ جاتا اور اُسے یوں محسوس ہوتا گویا وہ بھی کہانی کا ایک کردار ہے۔ پچھلے پانچ برسوں میں انھیں تین مرتبہ سال کے بہترین ادیب کا اعزاز بھی مل چکا تھا۔ ظہیر بھی دوسرے لاکھوں چاہنے والوں کی طرح اپنے چچا کی تحریروں کا پرستار تھا۔ وہ ان کے ناول بہت شوق سے پڑھتا تھا۔ وہ خود بھی اپنا ناول شائع ہونے پر سب سے پہلے ظہیر کو بھیجتے اور پھر اُس کی رائے لیتے۔

چچا کا نیا ناول بازار میں آیا تو اُنھوں نے فوراً ہی اپنے دستخطوں کے ساتھ ظہیر کو بھیج دیا۔ ظہیر نے ناول کا سرسری مطالعہ کیا اور ایک طرف رکھ دیا۔ چچا چند دِنوں کے لیے ملک سے باہر چلے گئے۔ وہاں ایک ادبی تنظیم نے انھیں خصوصی دعوت پر بلایا تھا۔ ایک دن وہ اپنے ناول کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ فوراً ظہیر کا خیال آیا اور اُنھوں نے اسے فون کیا۔ ظہیر نے فون اٹھایا۔

''السلام علیکم ظہیر بیٹے! تمھارا چچا بات کر رہا ہوں۔''

''وعلیکم السلام چچا! کیا حال ہیں آپ کے؟''

پھر باتوں باتوں میں گفتگو کا موضوع نیا ناول بن گیا۔ ظہیر نے سرورق سے لے کر ناول کے پلاٹ اور کرداروں تک سب کی بہت زیادہ تعریف کر ڈالی۔

''اچھا تو کہانی بہت اچھی لگی ہے آپ کو؟'' چچا نے پیار سے پوچھا۔

''جی، پوری کہانی اچھی، بل کہ بہت زبردست تھی۔''

''تو کہانی کا کون سا پہلو سب سے اچھا لگا ہمارے بیٹے کو؟'' انھوں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''وہ اصل میں......'' اب ایک دم ظہیر گھبرا گیا۔

''وہ میں آپ کے اندازِ بیاں اور خیالات سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ آپ اپنی کہانی میں حوصلے اور جذبے کی بات کرتے ہیں۔ آپ کو ایسے منفرد خیلات کیسے سوجھتے ہیں؟'' ظہیر نے دھڑکتے دل کے ساتھ جھوٹ پر جھوٹ بولنے کی کوشش کی۔

فون کے دوسری طرف چند لمحے خاموشی طاری رہی۔ ظہیر سمجھ گیا کہ چچا اس کا جھوٹ پکڑ چکے ہیں۔ ظہیر کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ اسے لگا کہ شاید چچا اس سے ناراض ہو گئے ہیں۔ اس نے آہستہ سے ہیلو کہا تو دوسری طرف سے چچا کی آواز سنائی دی، آواز میں تپش اور حدت تھی۔

''بیٹے! یقیناً تم جانتے ہو کہ بہت سے لوگ مجھے پڑھتے اور میری تعریف کرتے ہیں، لیکن اب میں تعریف کے جھمیلے سے آزاد ہو چکا ہوں اور اپنی تعریف سنے بغیر بھی اسی محبت اور عقیدت سے لکھتا ہوں۔ اب میں اپنے لیے نہیں، بل کہ اپنے قارئین کے لیے لکھتا ہوں۔ میرے اندازِ بیاں اور میرے لفظوں میں تاثیر میرے اللہ نے عطا کی ہے، اس لیے کہ میں اللہ کی مخلوق کے لیے لکھتا ہوں۔''

ظہیر مسلسل خاموش سنے جا رہا تھا۔

''میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میرا پیارا بھتیجا میری جھوٹی تعریف کرے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم بہت اچھے قاری ہو، پھر یہ سب کچھ! مجھے بہت دکھ ہوا ہے بیٹے! تم اگر جھوٹ نہ بھی بولتے تو کیا تم سے میرا تعلق اتنا کمزور ہے کہ ٹوٹ جاتا۔ کبھی جھوٹ کی بنیاد پر بھی تعلقات مضبوط ہوئے ہیں؟ مجھے تم نے دکھی کر دیا۔''

فون تو بند ہو گیا، مگر ظہیر کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ فضا میں معلق ہے۔ نہ اوپر جا سکتا ہے، نہ نیچے آ سکتا ہے۔

''میں نے یہ حرکت کیوں کی۔ مجھ سے یہ کیا خطا ہو گئی؟'' شرمندگی کی ایک تیز لہر اُس کے پورے وجود کو سر کر گئی اور اُس آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

مختلف سوچوں نے اس کا گھیراؤ کر لیا۔

''چچا میرے بارے میں نہ جانے کیا سوچ رہے ہوں؟ وہ تو مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ شاید اب ان کے پیار میں کمی آ جائے، مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ بڑوں کا کام تو معاف کرنا ہوتا ہے، وہ یقیناً مجھے معاف کر دیں گے۔ مجھے مزید شرمندہ نہیں ہونے دیں گے۔'' اس نے ناول اٹھایا اور پڑھنا شروع کر دیا۔

چند دنوں میں ناول ختم ہو گیا۔ پھر ایک دن اچانک چچا کا فون آ گیا۔

بقیہ صفحہ نمبر 25 پر

کھانا جب بھی کھانا تم

بنت محمد یاسین میمن۔ حیدرآباد

کھانا جب بھی کھانا تم
دسترخوان بچھانا تم
بسم اللہ کے پڑھنے کو
ہرگز بھول نہ جانا تم

جو ہو سب سے زیادہ بزرگ
اس سے شروع کرانا تم
سنت زندہ کرنے میں
ہرگز مت شرمانا تم

کھانے پینے کی خاطر
دایاں ہاتھ بڑھانا تم
ہاتھ کو گٹوں تک دھوانا
جب کھانا کھانا تم

اپنے اٹھنے سے پہلے
دسترخوان اٹھانا تم
کھانے کے بارے میں کبھی
شکوہ نہ لب پہ لانا تم

چاٹ کے اپنی انگلیاں
نورِ سنت پانا تم

بلاعنوان ۱۶۴

محمد فیصل علی۔ سناواں

وہ بے چینی کے عالم میں پہلو بدل رہا تھا۔ کتاب اس کے ہاتھ میں تھی، صفحات کھلے ہوئے تھے، مگر دماغ اور آنکھیں ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ ذہنی آمادگی نہیں نظر آ رہی تھی، حالاں کہ وہ پچھلے دو گھنٹے مسلسل کرکٹ میچ دیکھتا رہا تھا اور اِن دو گھنٹوں میں اسے ذرا بھی تھکاوٹ نہ ہوئی تھی، لیکن اب کتاب تھامتے ہی نشہ سا طاری ہو رہا لگا تھا۔ یہ کتاب رمضان المبارک کے مسائل و فضائل پر مشتمل تھی۔ چوں کہ رمضان المبارک کا مہینا شروع ہو گیا تھا، اس لیے اس نے سوچا کہ اپنے نفس کو عبادت کی ترغیب دلائی جائے اور اُس کے لیے ترکیب یہ سوچی گئی کہ کتاب کا مطالعہ کیا جائے، مگر یہ ابتدائی مرحلہ بھی مکمل ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا اور اُس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ اس کے دماغ نے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے کہا:

اسلام تو پھولوں کی سیج جیسا ہے، کوئی بھی دینی کام شروع کیا جائے تو فوراً نیند آنے لگتی ہے، لہٰذا سو جاؤ، یہ تو سکون نازل ہو رہا ہے۔

ضمیر نے دماغ کی اس تھپکی کو قبول کر لیا اور جلد ہی وہ سو گیا۔

''اٹھیں، اٹھیں، سحری کر لیں، وقت نکلا جا رہا ہے۔''

وہ یہ آواز سُن کر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ موبائل پر وقت دیکھا اور پھر جلدی سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر دسترخوان پر آ بیٹھا۔ صبح صادق سے قبل کا وقت بہت مسحور کن لگ رہا تھا۔ چاند کی چاندنی، نور کی چادر کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔ ہر طرف سہانا ماحول نظر آ رہا تھا۔ دسترخوان انواع و اَقسام کی چیزوں سے سجا ہوا تھا۔ جسم کی اگرچہ خوب خبر گیری ہو رہی تھی، مگر پھر بھی سارا دن جسم صاحب ذہن کو یہ پیغامات دیتے رہتے تھے کہ انرجی ختم ہوتی جا رہی ہے، کوئی مقوی چیز نہیں ہے کھانے پینے میں اور پیٹ صاحب تو رزق کا محدود معنی لیتے ہوئے یہ بات بھی بار بار یاد دِلاتے رہتے تھے کہ حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے کہ

''اس ماہ میں مومن کا رزق بڑھا دِیا جاتا ہے''، لہٰذا کھانے پینے کی اشیا کا حجم دُگنا کر دیا جائے۔

''لیں نا! شروع کریں۔''

گھر والوں کی آواز نے سب خیالات کو بھگا دیا۔ مظلوم و بے چارہ پیٹ انواع و اقسام کی نعمتیں اپنے اندر بھرنے لگا، کیوں کہ اس نے سارا دِن بھوک کی حالت میں گزارنا تھا، اور پھر کھانا پینا مکمل ہو گیا۔ اس نے وقت دیکھا تو اُبھی سحری کا وقت ختم ہونے میں پندرہ منٹ باقی تھے۔ صبح کی نماز سحری کے اختتام کے پندرہ منٹ بعد ہوتی ہے، گویا آدھا گھنٹا ہے، اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے اور آرام کرنا چاہیے، لہٰذا نپے تلے قدم اٹھا کر بستر پر لیٹ گیا۔

اس اثنا میں اسے احساس ہوا کہ کوئی اسے ہلا رہا ہے۔ اس نے دیکھا تو یہ اس کی روح تھی۔

اس نے چونک کر دیکھا۔ ہلکی سی آواز آ رہی تھی:

''مجھے بھی کچھ کھلا دو۔''

''مگر کیا؟'' اس نے بھرے ہوئے پیٹ اور حلق تک آئے پانی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں تمھاری روح ہوں۔''

''اچھا!!!! یہ تو مجھے پتا ہے، مگر تم کیا چیز کھاتی ہو؟''

روح نے ایک سرد آہ بھری اور بولی:

''میری غذا تلاوت، نفل، تسبیح اور تہلیل ہے۔ میں بے حد کمزور ہو رہی ہوں، کچھ کرو۔''

''اچھا اچھا، ٹھیک ہے، دیکھ لیں گے۔''

اس نے منہ بنایا اور دھڑام سے بستر پر گر گیا۔

''واہ بھئی واہ! رمضان المبارک میں کتنے سکون کی نیند آتی ہے۔'' اس نے سوچا۔

دوسرا خیال یہ ذہن میں آیا:

''یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سکون والی نیند ہے، یہ شیطانی وار نہیں، کیوں کہ شیطان تو قید ہو چکا ہے۔''

اس نے کروٹ بدلی۔

روح نے ایک بار پھر ہلکا سا ٹہوکا دیا اور بولی:

''جس طرح چولھے سے دیگچی اتارنے کے بعد اُبلا ہوا پانی فوراً ٹھنڈا نہیں

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ''بلاعنوان'' کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 30 اپریل 2021 ہے۔
نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابل قبول نہ ہوگا۔

ہوجاتا، بل کہ کافی دیر بعد ٹھنڈا ہوتا ہے، اسی طرح تمھارا نفس گیارہ مہینے تک شیطان کے ساتھ رہ کر شیطانی آگ سے اس قدر گرم ہوچکا ہے کہ اگر چہ اب آگ سے دور ہوچکا ہے، مگر وہ فوراً ٹھنڈا نہیں ہوگا، اسے نیکیوں کے ذریعے ٹھنڈا کرو تو یہ اثرات دور ہوں گے۔سنو،سنو۔'' روح چلاتی رہ گئی، مگر جسم سو چکا تھا۔

تیز اُجالے سے یکلخت اس کی آنکھیں کھل گئیں، وہ بستر پر لیٹا تھا۔مشرق سے افق سرخی مائل ہوگیا تھا۔

''اوہ،اوہ!میری فجر کی نماز!''

وہ تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑایا اور فٹافٹ وضو کرنے لگا۔دماغ پر عجیب سا بوجھ تھا۔وضو کر کے وہ گھر کے کونے میں ہی مصلیٰ بچھانے لگا، کیوں کہ جماعت تو ہوچکی تھی۔نیت باندھنے سے قبل اس نے ایک بار مڑ کر مشرقی افق پر نگاہ ڈالی اور پھر وہ ایک لمبا سانس لے کر رہ گیا۔سورج کی گول ٹکیا افق سے جھانک کر اُس کا منہ چڑا رہی تھی، شاید شرمندہ کر رہی تھی کہ

''واہ بھئی واہ!تم نے تو رمضان المبارک میں بھی سستی کی وجہ سے نمازِ فجر قضا کردی۔'' روح نے بھی اسے خجل کیا، مگر اُس کے نفس نے فوراً ہی مطمئن کیا:

''ارے یار!تم نیند میں تھے اور نیند تو ایک عذر ہے، تم نے نماز جان بوجھ کر تو نہیں چھوڑی۔''

اس نے نفس کی بات سن کر تائید کی۔تھوڑی دیر بعد وہ قضا نماز اُدا کر کے مطمئن ہوگیا۔روح اگرچہ چلا رہی تھی، مگر اُس نے سنی اَن سنی کردی۔

دن کا پہلا پہر کرکٹ میچ دیکھنے میں گزرا۔اس کے بعد سوشل میڈیا پر رمضان المبارک کی پوسٹس لائیک شیئر کر کے کارِ خیر میں حصہ ڈالا گیا، اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔

وہ باہر گیا تو ایک محلے دار آئے تھے۔دونوں بیٹھک میں بیٹھ گئے اور حال احوال کا تبادلہ ہونے لگا۔اس دوران میں جھوٹ اور غیبت ان دونوں کی روح کو زخمی کرتے رہے۔روح بہت کمزور تھی، تقوے کی کمی کے باعث کچھ مزاحمت ہی نہ کر سکی اور اگلے ہی لمحے وہ روح زارو قطار رو رہی تھی۔رو رو کر اُس کا برا حال ہوگیا، مگر روح پر غیبت، چغلی، جھوٹ اور بدگمانی کے مسلسل وار ہوتے رہے، یہاں تک کہ روح بے جان ہوکر گر پڑی۔

ایک گھنٹے بعد وہ محلے دار گئے تو وہ واپس کمرے میں آیا۔دوپہر کا وقت تھا، بستر اُس کا منتظر تھا، جلد ہی وہ نیند کی وادیوں کی سیر کر رہا تھا۔ظہر ڈھل چکی تھی جب اس کی آنکھ کھلی۔فوراً ہی مظلوم جسم نے اسے روزہ رکھنے کی داد دی اور حوصلہ افزائی کی، جیسے روزہ فرض نہ ہو اور اُس نے روزہ رکھ کر کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہو۔اس نے غسل کیا اور ظہر کی نماز جماعت کے بغیر گھر میں ہی ادا کی۔ویسے بھی جماعت تو ہوچکی تھی۔نماز کے بعد تفریحِ طبع کے لیے خبر نامہ لگا لیا گیا۔موسیقی کے درمیان خبریں بصورتِ اعلان نشر ہو رہی تھیں۔اس شوروغل سے بے ہوش روح جاگ گئی اور بُری طرح کراہنے لگی، مگر اُسے روح کی تکلیف محسوس ہی نہ ہوئی۔ٹی وی چلتا رہا۔عصر کے وقت نماز کے لیے مسجد کی طرف قدم بڑھائے گئے۔نماز کی ادائیگی کے بعد اِفطاری کا ڈھیروں سامان تیار ہونے لگا۔بہت ساری چیزیں بازار سے منگوائی گئیں، کیوں کہ یہ روزہ جسم کا تھا اور جسم کو ہی افطاری کرنی تھی۔

سب نے دعائیں مانگ کر اِفطاری کی اور افطاری کے بعد کھانے سے انصاف ہونے لگا۔نماز کے بعد اُس نے محسوس کیا کہ طبیعت ناسازسی ہو رہی ہے۔اس نے سوچا:

کیا کروں؟

دماغ نے نمازِ عشا مختصر بلا تراویح کا مشورہ دیا۔جلد ہی وہ عشا کی نماز کی ادائیگی کے بعد سوچکا تھا۔روح کا بھوک پیاس سے بُرا حال تھا۔

اگلی صبح سحری کے وقت جب وہ بیدار ہوا تو جسم کے ہر حصے میں درد محسوس ہو رہا تھا۔اس نے اپنی پیشانی کو چھو کر دیکھا تو وہ بخار کی شدت سے تپ رہی تھی۔

وہ واپس بستر پر لیٹ گیا۔

''کیا ہے جی!روزہ نہیں رکھنا کیا!؟'' گھر والوں نے پوچھا۔

''ہاں، بخار ہے مجھے۔'' اس نے مختصر جواب دیا اور سوگیا۔اس کا جسم سراپا احتجاج بنا ہوا تھا، وہ صحیح طرح سو بھی نہ سکا۔اگلی صبح سب گھر والوں نے وقتاً فوقتاً مشوروں سے نوازا اور ہر کسی نے اپنی فہم کے مطابق ایک عدد قابل ڈاکٹر صاحب کا پتا بتایا کہ اس کے پاس جسمانی علاج کے لیے جائیں۔تھوڑی دیر بعد وہ جسمانی ڈاکٹر کے پاس جا پہنچا۔ڈاکٹر نے جسم صاحب کا مکمل معاینہ کیا۔تشخیص کے نام پر مختلف لیب ٹیسٹ کروائے۔اس دوران میں اچانک اسے سا خیال آیا کہ کل میری روح بھی کہہ رہی تھی کہ وہ بھی بیمار ہے، اس کا علاج کہاں سے کراؤں؟ مگر اُسے اس سوال کا جواب معلوم نہیں تھا۔دوسرا خیال یہ آیا کہ جسم کی اذیت تو کافی محسوس ہو رہی ہے، مگر روح کی تکلیف کیوں محسوس نہیں ہو رہی۔وہ مسلسل یہی بات سوچنے لگا۔اس کے ساتھ ہی ایک معمر شخص بیٹھا ہوا تھا۔اس کا ایک بازو لٹکا ہوا تھا، جیسے اس میں جان ہی نہ ہو۔

’’آپ کے ہاتھ کو کیا ہوا؟‘‘ اس نے ازراہ ہمدردی پوچھا۔

’’بیٹا! یہ فالج سے شل ہوگیا ہے، اب یہ جسم کے ساتھ رابطے میں نہیں رہا۔ یہ بے کار ہوگیا ہے۔ اس میں درد اور تکلیف، کچھ محسوس نہیں ہوتا۔

اس آدمی کے آخری الفاظ نے اسے چونکا دیا۔

’’اس میں درد اور تکلیف کچھ محسوس نہیں ہوتا۔‘‘

وہ بڑبڑایا:

’’کیا میری روح بھی شل ہوگئی ہے؟ کیا وہ مرچکی ہے؟‘‘

طرح طرح کے سوالات نے اسے گھیر لیا۔ اس دردناک انکشاف سے اس کی آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ اس نے ڈاکٹر سے دوا لی اور گھر واپس آگیا۔ دوا کھانے کے بعد اُس کے جسم نے سکون کا سانس لیا، مگر روح ابھی تک درد والم میں ہے اور یہ احساس اسے پہلی بار ہوا تھا، ورنہ وہ تو روح کے رونے دھونے کی بالکل پروا نہیں کرتا تھا۔ اب اس کا نفس اسے طرح طرح سے ’’پٹیاں‘‘ پڑھا رہا تھا کہ وہ روح کے درد کو بھول جائے، مگر ایسا نہ ہوسکا، کیوں کہ اس کی بصیرت جاگ چکی تھی، اس کی روح فرشتوں کی طرف سے لگائی جانے والی یہ صدا مسلسل سن رہی تھی:

’’اے بھلائی کے چاہنے والے! آگے بڑھ (اور دیر نہ کر)، اے شر کے چاہنے والے! رک جا۔‘‘

قلق و اضطراب بڑھتا جارہا تھا۔ اس نے وقت دیکھا اور جماعت سے پہلے ہی مسجد جا پہنچا۔ جی ہاں، روح کے علاج کے لیے مسجد سے بہتر جگہ اور کون سی ہوسکتی ہے؟

نماز کے بعد اِمام صاحب نے درسِ حدیث دیا۔ امام صاحب نے یہ حدیث پڑھی:

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’منبر کے قریب ہوجاؤ۔‘

ہم لوگ حاضر ہوگئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پہلے درجے پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا:

’آمین۔‘

جب دوسرے پر قدم مبارک رکھا تو پھر فرمایا:

’آمین۔‘

جب تیسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا:

’آمین۔‘

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبے سے فارغ ہو کر نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا:

’یارسول اللہ! آج ہم نے آپ سے ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی۔‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’اس وقت جبرائیل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے۔ انھوں نے کہا:

’ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینا پایا، پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی۔‘

میں نے کہا:

’آمین۔‘

پھر جب میں نے دوسرے درجے پر قدم رکھا تو اُنھوں نے کہا:

’ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے۔‘

میں نے کہا:

’آمین۔‘

پھر جب میں تیسرے درجے پر چڑھا تو اُنھوں نے کہا:

’ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک

بڑھاپے کو پائے اور وہ اُسے جنت میں داخل نہ کرائیں۔'
میں نے کہا:
'آمین۔'
حدیث مکمل ہو چکی تھی۔ اب امام صاحب اس حدیث کے معارف بیان فرما رہے تھے، مگر اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی سماعتیں بہری ہو چکی ہوں، اسے اپنے دماغ میں آندھیاں چلتی محسوس ہوئیں، دکھ کی ایک لہر اُس کے وجود میں پھیل گئی۔

اس حدیث کو سُن کر اُس کی روح اس قدر زور سے کانپی تھی کہ جسم بھی لرز کر رہ گیا تھا، رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، دنیا تاریک ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

جب آپ ﷺ نے آمین کہہ دیا تو اِس بددُعا کی قبولیت میں کیا شک رہ جاتا ہے!

جس شخص کی رمضان المبارک میں بھی مغفرت نہیں ہوتی وہ تو ہلاک ہو جاتا ہے۔ اگر میری مغفرت نہ ہوئی تو میرا کیا بنے گا!؟

کیا میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگ رہا ہوں؟

کیا میرے اعمال شریعت کے مطابق ہیں؟

کیا میں رمضان المبارک کے ایام کی قدر کر رہا ہوں؟

یہ تمام سوال اسے بُری طرح جھنجھوڑ رہے تھے اور پھر اُس کی آنکھیں چشمے کی طرح ابل پڑیں۔ وہ بے خود ہو کر روئے جا رہا تھا۔ اسے گرد و پیش کا احساس تک نہیں تھا اور پھر ایک عجیب بات ہوئی، اس کا جسم رو رہا تھا، مگر روح مسکرا رہی تھی، اسے شفا مل رہی تھی۔ جسم کی ندامت سے روح کو مقوی غذا مل رہی تھی۔ نیکی کا عزم اسے تر و تازہ پھول کی مانند مہکا رہا تھا۔ روح تقوے کی جھلک دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ روح کی یہی مسکراہٹ اس کا ابدی سرمایہ تھی۔

قرآنی کوئز ۷ کے درست جوابات

1. ۲۸۶ آیات ہیں۔
2. سورۂ عصر، کوثر، نصر۔
3. ۲۸۔
4. سورۂ حشر۔
5. سورۂ اعراف۔

بقیہ: اللہ کا اشارہ

ہلکا سا جھٹکا لگتا تھا تو سب لوگ بھاگم بھاگ کھلی فضا کا رُخ کرتے تھے، مگر اب ایسا نہیں تھا، اب ڈر ختم ہو گیا تھا۔

ان ایام میں ہم دادا جان کی معیت میں پنج وقتہ نماز کے لیے مسجد جاتے تھے اور ہمارے ڈر کو ختم کرنے کے لیے دادا جان بار بار شہادت کی موت کو یاد کرتے اور ساتھ یہ بھی بتاتے کہ نماز میں بھی کوئی آسمانی آفت کی وجہ سے مر گیا تو وہ شہید ہو گا اور جنت میں جائے گا۔ یہ اس لیے بتاتے تھے کہ ہم ذرا سی کوئی آواز سنتے تو ڈر کے بھاگ جاتے تھے اور دادا جان غصہ ہوتے کہ اس طرح نماز کی بے ادبی ہوتی ہے۔ اب کم از کم ہم نماز سے بھاگتے نہیں تھے، کیوں کہ ایک ذہن سا بن گیا تھا کہ نماز میں اگر موت آ بھی گئی تو شہید ہوں گے اور اللہ پاک راضی ہوں گے۔

یوں ہی دن گزرتے گئے۔ غفلت انسانوں کے سروں پر منڈلاتی رہی اور موقع ملتے ہی اپنے شکار پھانستی رہی اور ''عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہے'' کے مصداق زلزلے کے جھٹکے بھی محسوس ہوتے رہے۔

اکتوبر ۲۰۰۵ء کے رمضان المبارک کا مہینا ایسا یادگار ثابت ہوا کہ اب بھی کسی وقت یاد آ جائے یا کوئی زلزلے کا نام لے لے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بے ساختہ دل تشکر آمیز ہو کر اور زبان ذکرِ خداوندی میں مشغول ہو کر خدا کا شکر بجا لاتی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری اور میرے اہل و عیال کی حفاظت فرمائی۔'' مجھے تب ہی پتا چلا تھا کہ زلزلہ کیا ہوتا ہے؟ اور زلزلے کیوں آتے ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارے ہیں جنھیں ہم اشرف المخلوقات تو نہیں سمجھتے، مگر بے زبان چرند پرند سمجھ جاتے ہیں۔ نہیں سمجھتے تو صرف ہم انسان! اللہ پاک سب کو ہدایت کاملہ نصیب فرمائے اور ہر طرح کی ناگہانی آفات، آلام اور مصائب سے حفاظت فرمائے۔ آمین!

ذوقِ معلومات (۶۲) کا درست جواب

☆ نیٹ بال

نئے لکھاری

مجرم کی تلاش ۶

محمد عمر بن عبدالرشید۔ کراچی

ارحم فون بند کر کے پاس کھڑے دو حوال داروں سے بولا:

''سر کا فون تھا۔ کہہ رہے تھے: فوراً خفیہ ٹھکانے پر پہنچو۔ انسپکٹر اشعر کسی خطرے میں ہیں وہاں۔'' یہ کہہ کر ارحم پولیس اسٹیشن سے باہر نکل آیا۔ دونوں حوال دار اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ وہ جلدی سے پولیس موبائل میں آبیٹھے اور اُسے تیزی کے ساتھ روانہ کر دیا۔

ابھی وہ بندر روڈ پہنچے تھے کہ ارحم چیخا:

''ارے، وہ دیکھو اشعر! سر کی جیپ، لیکن اسے تو کوئی اور شخص چلا رہا ہے۔'' دونوں حوال داروں نے بھی غور سے دیکھا تو وہ جیپ اشعر کی ہی معلوم ہوئی۔

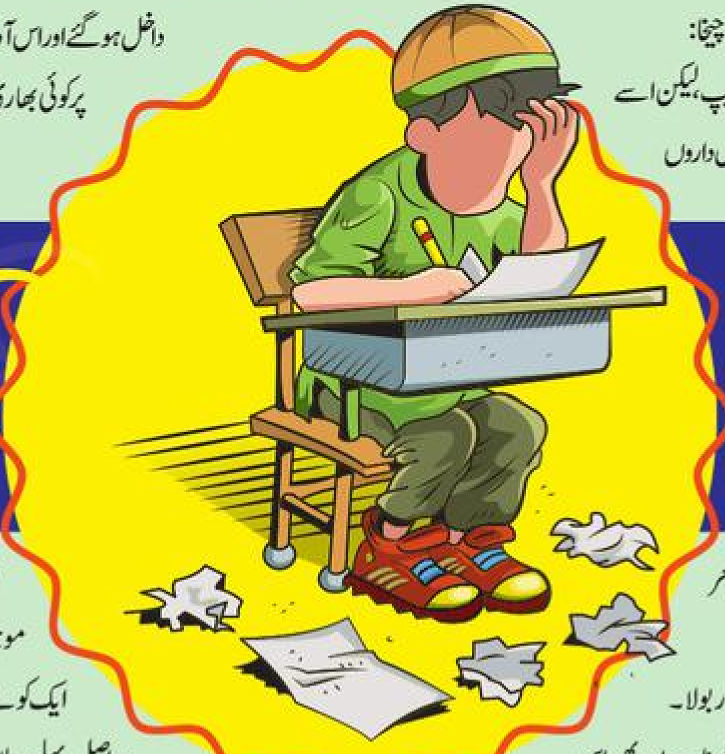

''اب کیا کریں۔'' ایک حوال دار بولا۔

''کرنا کیا ہے؟ اس کا تعاقب کرنا ہے اور پھر اس آدمی سے پوچھنا ہے کہ انسپکٹر اشعر کہاں ہیں اور ساتھ ہی اسے گرفتار بھی کرنا ہے، کیوں کہ اس نے اشعر سر کی جیپ بھی چرائی ہے۔'' دوسرا حوال دار کہتا چلا گیا۔

''ہاں بالکل! اب ہم اس کا تعاقب کریں گے۔'' یہ کہہ کر ارحم نے موبائل کی رفتار آہستہ کر لی۔ جلد ہی انسپکٹر اشعر کی جیپ میں بیٹھے آدمی نے جیپ ایک کوٹھی میں داخل کر لی۔ انھوں نے بھی موبائل سڑک کنارے کے روک لی، لیکن تب تک کوٹھی کا مین گیٹ بند ہو چکا تھا۔ وہ موبائل سے اتر آئے اور ڈور بیل بجائی۔ اسی وقت دروازہ کھول دیا گیا اور اُسی آدمی کی شکل نمودار ہوئی۔

''کیا بات ہے؟'' وہ ناخوش گوار لہجے میں بولا۔

''ہم آپ کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔'' ارحم بولا۔

''لیکن کس سلسلے میں۔'' آدمی چونک کر بولا۔

''آپ نے انسپکٹر اشعر کی جیپ چوری کی ہے۔ اس سلسلے میں۔'' ارحم منہ بنا کر بولا۔

''آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے کسی انسپکٹر اشعر کی جیپ نہیں چرائی۔ آیئے، اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' وہ آدمی پریشان ہو کر بولا۔

''نہیں، جو بات ہو گی پولیس اسٹیشن میں ہو گی۔'' یہ کہہ کر تینوں اسے گرفتار کرنے کے لیے آگے بڑھے، لیکن وہ آدمی پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ اب وہ تینوں گھر میں داخل ہو گئے اور اس آدمی کی طرف بڑھے۔ اچانک ان کے سروں پر کوئی بھاری چیز لگی اور پھر انھیں کچھ ہوش نہ رہا۔

......☆......

انسپکٹر فراز سمیت انتظار غوری کے دفتر میں موجود تمام لوگ چونک اٹھے، کیوں کہ دفتر کے ایک کونے میں تہ خانے کا راستہ نظر آرہا تھا۔

دراصل پہلے یہاں ایک ٹیبل موجود تھی، لیکن اب وہ کھسکائی جا چکی تھی، یعنی دوسری طرف کر دی گئی تھی، جب کہ کمرے میں انتظار غوری بھی موجود نہیں تھا، یعنی چندر راؤ کے ساتھ وہ بھی اس تہ خانے کے ذریعے بھاگ گیا تھا۔

''اُف! میں نے اپنی زندگی میں اس قدر حیرت پہلی بار محسوس کی۔'' ایک ملازم کی آواز سنائی دی۔

''کیا آپ لوگوں نے چندر راؤ کو اس کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تھا؟'' انسپکٹر فراز ملازمین کی طرف مڑے۔

''نہیں، ہم نے نہیں دیکھا۔'' کئی آوازیں ابھریں۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کمرے میں آپ لوگوں نے کس کو داخل ہوتے

دیکھا تھا۔'' انسپکٹر فراز جلدی سے بولے۔

ایک برقع پوش عورت کو۔'' سب ایک ساتھ بولے۔

''کیا وہ چندر راؤ کے لاک اَپ کی طرف سے آئی تھی۔'' وہ حیرت زدہ ہو کر بولے۔

''پتا نہیں، یہ بات تو نواب کو ہی معلوم ہوگی۔ چندر راؤ کی طرف کا پہرہ تو وہی دیتا ہے۔'' ملازمین گارڈز نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''نواب! آپ میں سے کون ہے۔'' انسپکٹر فراز اُن سب کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''وہ تو یہاں نہیں، تھوڑی دیر پہلے اس عورت کے داخل ہونے سے پہلے وہ بھی دفتر میں داخل ہوا تھا۔'' ایک ملازم گارڈ نے کہا۔

''اوہ! یعنی نواب بھی ان کا ساتھی ہے اور ایک بات اور سن لین، وہ وہ برقع پوش عورت جو تھی وہ چندر راؤ تھا۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور تہ خانے میں اترتے چلے گئے۔ سیڑھیاں ختم ہوئیں تو ایک لمبی سی گلی شروع ہوئی وہ اس گلی میں بھاگنے لگے، پھر گلی بھی ختم ہوئی اور سیڑھیاں اوپر کی طرف جاتی نظر آئیں۔ وہ جلدی سے سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے اور تہ خانے سے نکل آئے۔ شاید وہ لوگ جلدی میں تہ خانے کا دروازہ بند کرنا بھول گئے تھے۔ انسپکٹر فراز نے دیکھا کہ وہ ایک گھر کے کمرے میں موجود تھے۔ وہ کمرے سے نکلے تو اُنھوں نے دیکھا کہ اس گھر کے بڑے سے صحن میں ان کے کانسٹیبل بندھے پڑے ہیں۔ انھوں نے جلدی سے کانسٹیبلوں کی رسیاں کھولیں اور پھر حیرت سے بولے:

''ارحم! تم تینوں یہاں کیسے؟ میں نے تو تم لوگوں کو خفیہ ٹھکانے بھیجا تھا اشعر کی خیریت معلوم کرنے کے لیے۔''

......(جاری ہے)......

رمضان المبارک

اقرا اقبال۔ کراچی

امی: ''ایان بیٹا! کہاں ہو؟''

ایان: ''امی میں اپنے کمرے میں اردو کا سبق یاد کر رہا ہوں۔''

امی: ''بیٹا! ذرا اُوپر آؤ۔''

ابو: ''بیٹے! جلدی آؤ، دیکھو چاند نظر آ گیا۔''

ایان: ''امی ابو! آپ چاند کو کیوں دیکھ رہے ہیں اور یہ چاند دیکھ کر آپ خوش کیوں ہیں؟''

ابو: ''ایان! کیا تمھیں نہیں پتا کہ یہ رمضان المبارک کے مہینے کا چاند ہے۔''

امی: ''ایان! یہ بابرکت مہینا ہے۔''

ایان: ''یہ بابرکت مہینا کیوں ہے؟ اور اس میں کیا ہوتا ہے۔''

امی: ''ہم مسلمان اس مہینے میں روزے رکھتے ہیں اور اِس مہینے میں ہمیں عبادت کرنے کا اور برکتیں حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔''

ابو: ''جس طرح، ہم پر نماز، زکوٰۃ اور حج کرنا فرض ہے، اسی طرح ہم پر روزہ رکھنا بھی فرض ہے۔''

امی! یہ روزہ کیا ہوتا ہے؟ اس میں کیا کرنا ہوتا ہے؟''

امی: ''بیٹا! ہمیں روزے میں صبح صادق سے لے کر (یعنی فجر کی اذان سے پہلے) غروب آفتاب تک بھوکا رہنا ہوتا ہے۔ اس میں ہم نہ کچھ کھاتے ہیں اور نہ کچھ پیتے ہیں۔ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔''

ایان: ''امی ابو! کیا میں روزہ رکھ سکتا ہوں۔ مجھے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی ہے اور رمضان کی برکتیں حاصل کرنی ہے۔''

امی: ''کیوں نہیں میرے بیٹے! تم بھی روزہ رکھ سکتے ہو اور یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہوں گے۔''

ابو: ''کل رمضان المبارک کا پہلا دن ہے۔ ان شاء اللہ! کل سے ہم دونوں ساتھ نمازیں اور تراویح پڑھنے جائیں گے۔''

امی: ''ایان بیٹا! ابھی آپ کھانا کھا کر، عشا کی نماز پڑھ کر سو جاؤ، میں آپ کو سحری میں اٹھاؤں گی۔''

ایان: ''یہ سحری کیا ہوتی ہے؟''

امی: ''بیٹا! جو کھانا رات کے آخری حصے میں کھایا جائے اسے سحری کہتے ہیں اور جو کھانا مغرب کی اذان کے وقت کھایا جائے وہ افطار کہلاتا ہے۔''

ایان: ''ابو جان! اس مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہیں؟''

ابو: ''اس مہینے میں ۳۰ روزے ہوتے ہیں۔''

ایان: ''میں ان شاء اللہ! اس مہینے میں پورے روزے رکھوں گا۔ امی! سحری میں کیا کھائیں گے؟''

امی: ''میٹھی سوئیاں، لسی، مکھن اور سلائس۔''

ایان: ''میٹھی سوئیاں تو مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ میں انھیں بہت شوق سے کھاتا ہوں۔''

بقیہ صفحہ نمبر 8 پر

بکھرے موتی

قارئین

☆ ننانوے فی صد ناکامیاں ان لوگوں کے حصے میں آتی ہیں جنھیں عذر پیش کرنے کی عادت ہوتی ہے۔

☆ خوش نصیب وہ ہے جو اپنے نصیب پر خوش رہے۔

(کومل فاطمہ اللہ بخش۔ کراچی)

☆ وقت خام مواد کی مانند ہے۔ اس سے جو چاہے بنالو۔

☆ دنیا میں وہی لوگ سر بلند رہتے ہیں جو تکبر سے دور رہتے ہیں۔

☆ ظالم کی موت پر ملال ہونا ظلم میں شامل ہے۔

☆ دل ایک آئینہ ہے۔ اگر وہ بدی سے پاک ہو تو اُس میں خدا بھی نظر آسکتا ہے۔

☆ عموماً بڑے گھروں میں چھوٹے اور چھوٹے گھروں میں بڑے لوگ رہتے ہیں۔

☆ چار چیزیں انسان کو بلند کرتی ہیں: علم، حلم، کرم اور خوش کلامی۔

☆ توبہ کے درخت کو شرمندگی کا پانی ضرور دینا چاہیے۔

(حافظ حذیفہ محمود۔ کراچی)

☆ معمولی معمولی فضول خرچیوں سے بچتے رہو، کیوں کہ چھوٹا سا سوراخ بھی بڑے سے بڑے جہاز کو ڈبو دیتا ہے۔

☆ انسان صوم وصلوٰۃ سے نہیں، بل کہ معاملات سے پہچانا جاتا ہے۔

☆ دوست سے اپنے حقوق نہ مانگو، بل کہ خود دوست کے حقوق پورے کرو۔

(حافظ محمد اشرف، محمد ارشد، زہرہ بلال۔ حاصل پور)

☆ جو لوگ چپ چاپ سب کچھ برداشت کر لیتے ہیں ان کے بارے میں طے ہے کہ ان کا دل زخم خوردہ ہوتا ہے۔

☆ جو چیزیں تمھارے قبضے سے نکل چکی ہیں ان پر افسوس نہ کرو۔ یہ عادت بچوں اور کم عقلوں کی ہے۔

☆ جو پریشان رہتا ہے اس کے لیے پریشانیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

(نثار احمد سولنگی۔ کراچی)

☆ جو شخص لالچ کرتا ہے اس کی روزی میں تو اضافہ نہیں ہوتا، البتہ اس کی عزت اور قدر کم ہو جاتی ہے۔

(عبدالمجید خان۔ کراچی)

☆ ادب کا دروازہ اتنا چھوٹا اور تنگ ہوتا ہے کہ اس میں داخل ہونے سے پہلے سر کو جھکانا پڑتا ہے۔

☆ سچ بات ہے کہہ دینے سے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

(؟۔؟)

☆ بات کرنے سے پہلے تین باتوں کا خیال رکھو:

۱۔ لہجہ اچھا رکھو۔ ۲۔ نرمی سے بات کرو۔ ۳۔ سوچ سمجھ کر بات کرو۔

☆ جتنے بھی لفظ ہیں وہ مہکتے گلاب ہیں۔ لہجے کے فرق سے انھیں تلوار مت بناؤ۔

☆ الفاظ کتنے ہی پُر اثر کیوں نہ ہوں، اگر انھیں محبت اور خلوص سے نہ کہا جائے تو بے اثر ہو جاتے ہیں۔

(؟۔؟)

فیس بک

حافظ محمد اشرف۔ حاصل پور

"فیس بک" باہمی رابطے کے حوالے سے جدید اور سہل ترین ویب سائٹ ہے۔ یہ ایک ایسی سوشل نیٹ ورکنگ ویب سائٹ ہے جو ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ایک انسان کو اپنے اعزہ واَقارب اور دوستوں وغیرہ سے گفت وشنید اور ملاقات کرنے کا آسان ترین اور سستا ذریعہ فراہم کرتی ہے۔

آیئے! ذرا اس کے فوائد اور نقصانات پر ہم ایک نظر ڈالتے ہیں۔

فوائد:

فیس بک کے بہت سے فوائد ہیں:

☆ تمام اعزہ واقارب جو "فیس بک" استعمال کرتے ہیں، ان سے ایک گونہ ملاقات ہوتی رہتی ہے۔

☆ اس کے ذریعے دنیا کے کسی بھی موضوع پر معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ تمام موضوعات پر تفصیلی مضامین، رسائل اور ویڈیوز موجود ہیں اور کسی بھی موضوع پر مختلف تصورات رکھنے والے افراد کی تحاریر وتقاریر بھی یہاں موجود ہیں۔

☆ حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہنے کا ذریعہ ہے۔

آپ کسی بھی ملک کے اخبار وغیرہ کے پیج کو لائک کرکے اس ملک کے حالات معلوم کرسکتے ہیں۔

بعض اوقات میڈیا جان بوجھ کر اصل حقائق چھپاتا ہے، لیکن عوام اس ویب سائٹ کے ذریعے اصل حقائق لوگوں تک پہنچادیتے ہیں۔

☆ "فیس بک" اپنے نظریات کو فروغ دینے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ مثلاً کوئی یہ نظریہ رکھتا ہے کہ خدمت خلق کا کام ہونا چاہیے تو وہ اس کے ذریعے اپنے نظریات کا پرچار کرسکتا ہے، اسی طرح آپ اپنی تحریریں فیس بک کے ذریعے دنیا کے کونے کونے تک پہنچاسکتے ہیں۔

☆ کسی بھی موضوع پر کوئی بھی چیز آپ کو پسند ہو تو اُسے لاتعداد افراد کے ساتھ "شیئر" کیا جاسکتا ہے۔

☆ ہم خیال اور ہم نظریہ لوگ مختلف گروپس اور پیجز بنا کر ایک دوسرے کے تجربات سے بھرپور استفادہ کرسکتے ہیں۔

نقصانات:

فیس بک کے بہت سے نقصانات بھی ہیں، جن سے عموماً لوگ غافل رہتے ہیں:

☆ "فیس بک" کا سب سے بڑا نقصان وقت کا ضیاع ہے۔ اکثر لوگ، خصوصاً نوجوان کئی کئی گھنٹے اس کے استعمال میں گزار دیتے ہیں۔ فیس بک پر چیٹنگ کرنا، گیم کھیلنا، فضول اور لغو ویڈیوز دیکھنا اور انھیں شیئر کرنا، نوجوانوں کا محبوب ترین مشغلہ ہے اور انتہا تو یہ ہے کہ لوگ محض "نیوز فیڈ" دیکھنے میں کئی گھنٹے صَرف کردیتے ہیں۔

☆ غیر مستند، بے بنیاد اور جھوٹا مواد اِس ویب سائٹ پر عام ہے اور ہر طبقے، نظریے اور ہر طرح کے کردار والے افراد جھوٹے اور غیر مستند مواد سے لوگوں کی "برین واشنگ" کررہے ہیں۔

☆ فیس بک کی وجہ سے لوگ قلم اور کتاب سے بتدریج دور ہورہے ہیں، مطالعۂ کتب لوگوں کے معمولات سے خارج ہوگیا ہے، نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کتب بینی کا سلسلہ تقریباً مفقود ہوگیا ہے۔

☆ "فیس بک" بلامبالغہ آج کل کی فحش ترین ویب سائٹس میں سے ہے۔ فحاشی اور بے حیائی کو فروغ دینے میں فیس بک کا نمایاں کردار ہے۔ فیس بک نوجوانوں اور خواتین کو آپس میں گفت وشنید کے مواقع فراہم کرنے میں خاصی فراخ دل نظر آتی ہے۔

☆ ''فیس بک'' کے ذریعے لوگ بتدریج بے عملی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ لوگوں کا کام اچھی باتوں کو ''لائک'' کرنے اور ''شیئر'' کرنے کی حد تک محدود رہ گیا ہے۔ بے ہودہ مواد پر مذمت اور نیک مواد کی تعریف میں کمنٹس لکھنا عوام کا ''دین'' رہ گیا ہے (الا ماشاء اللہ) اور لوگ محض اسی عمل پر مطمئن نظر آتے ہیں۔

☆ ایک رسم جو فیس بک کے سبب چل نکلی ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں نے دوہری جنس اپنالی ہے۔ لڑکے اپنے آپ کو لڑکی اور لڑکیاں خود کو لڑکا ظاہر کر کے جنسِ مخالف کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اس پر فخر کیا جاتا ہے کہ ہم کس طرح دوسروں کو بے وقوف بنا رہے ہیں، حالاں کہ ان سے بڑا احمق کوئی نہیں۔

☆ ''فیس بک'' پر بے ہودہ اور لغو اشتہارات کے ذریعے عوام کو بُرائی کی جانب مائل کیا جا رہا ہے۔ اس فحش ویب سائٹ پر ہر طرح کے بے ہودہ اشتہارات لگانے کی مکمل آزادی ہے اور اس آزادی کا استعمال کر کے، خصوصاً نوجوانوں کو بُرائی اور بے حیائی کی جانب گامزن کیا جا رہا ہے۔

احتیاطی تدابیر:

☆ جب بھی لاگ اِن (Log in) ہو جائے تو یہ سوچ لیا جائے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے، تاکہ فیس بک کی بُرائیوں سے بچا جا سکے۔

☆ جب بھی لاگ اِن ہو جائے تو کسی مقصد کے لیے ہو جائے اور مقصد مکمل ہوتے ہی لاگ آؤٹ (Log out) کر دیا جائے۔

☆ گناہ کا خیال اور وسوسہ آتے ہی لاگ آؤٹ کر دیا جائے اور اِستغفار کیا جائے۔

☆ بعض لوگ مختلف لوگوں کی طرف سے اپ لوڈ کی گئی احادیث وغیرہ کو بغیر تحقیق کے آگے شیئر کرتے رہتے ہیں، جو سخت گناہ کی بات ہے اور جہنم میں داخلے کا باعث ہے، لہٰذا یہ نہایت قابلِ مذمت فعل ہے، اس سے سختی سے اجتناب کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کامل ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین!

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ
ماہ نامہ
ذوق و شوق
کراچی
الحمدللہ! اب تک ماہ نامہ ''ذوق و شوق'' کے مطالعے سے لگ بھگ پچاس ہزار لوگ کتاب دوست بن چکے ہیں۔

کتاب دوست بنیے اور بنائیے

اپنے عزیز و اقارب اور رشتے داروں کے بچوں کو کتاب دوست بنانے اور صدقہ جاریہ میں حصہ لینے کے لیے ماہ نامہ ''ذوق و شوق'' کے سالانہ خریدار خود بھی بنیے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیجیے۔

سالانہ خریداری کے 1000 روپے آپ درج ذیل اکاؤنٹ نمبر میں جمع کروا سکتے ہیں۔ اپنا نام، رابطہ نمبر اور جس ماہ سے جاری کروانا ہے ہمیں واٹس اپ کیجیے اور ہر ماہ گھر بیٹھے ماہ نامہ ''ذوق و شوق'' کا مطالعہ کیجیے۔

ZoqShoq
نام ______
مکمل پتا ______
ای میل ایڈریس ______
رابطہ نمبر ______
پوسٹ کوڈ ______
رقم ______
جاری کرنے کا مہینا ______

خط و کتابت کا پتا
ماہ نامہ ذوق و شوق، پی۔ او۔ بکس: 17984، گلشن اقبال، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75300
رابطہ نمبر: 021-34990760 ای میل: zouqshouq@hotmail.com
zouq o shouq 0324-2028753

اکاؤنٹ نمبر
Bank: Meezan Bank Title: Bait ul ilm trust zouq o shouq
Account Number: 0179-0103431456
Address: Soldier bazar branch, Karachi.

سلاد کے پتے

سعد علی چھیپا۔ کراچی

بہار کا موسم ہریالی لے کر آتا ہے۔ یہی موسم سلاد کا ہوتا ہے۔

بظاہر یہ پتا کسی قسم کا ذائقہ نہیں رکھتا، یعنی نہ تو ترش ہے، نہ مٹھاس بھرا اور نہ ہی تلخ، اسی لیے اسے برگر کے ساتھ کھا لیا جاتا ہے۔

سلاد کے پتوں سے نہ صرف برگر اور سلاد کو سجاتے ہیں، بل کہ طبی لحاظ سے بھی اس کے بہت سے فائدے ہیں۔

سلاد کے فوائد:

☆ سلاد میں موجود گلوکوز اور سیرم، نیورونز کو ختم ہونے سے روکتا ہے، جن کا تعلق یادداشت سے ہوتا ہے۔

☆ سلاد کے پتے کولیسٹرول کو کم کرنے کے لیے بہترین ہیں۔

☆ سلاد میں اینٹی اوکسی ڈنٹ ہونے کے ساتھ فری ریڈیکلز ختم کرنے کی خصوصیات موجود ہیں۔

☆ سلاد میں anti inflamatery خصوصیات موجود ہیں جو جلن اور سوزش کو ختم کرتی ہیں۔

☆ سلاد کے پتوں میں موجود پروٹین سوزش کو ختم کرتا ہے۔

☆ سلاد کے پتوں میں وٹامن۔اے موجود ہوتا ہے جو کئی قسم کے کینسر سے بچاتا ہے۔

☆ سلاد میں ہیجان کم کرنے کی خصوصیات موجود ہیں۔

☆ سلاد کے پتوں کا عرق بے چینی کو ختم کرتا ہے اور پرسکون بناتا ہے۔ یہ عرق پینے سے اچھی نیند آتی ہے۔

☆ سلاد کے پتوں میں کیلوریز اور شکر کی مقدار بہت کم ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں فائبر بھی موجود ہے۔ یہ دونوں باتیں وزن کو کم کرنے کے لیے بہترین ہیں۔

☆ سلاد کے پتوں میں موجود آئرن، کیلشیم اور میگنیشیم، جسم میں کیمیائی عمل کو تیز کرتا ہے۔ پوٹاشیم دل کی دھڑکن اور بلڈ پریشر کو کنٹرول کرتا ہے۔

☆ اس کے علاوہ سلاد وٹامن۔بی حاصل کرنے کا بھی ذریعہ ہے۔

تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی بھی سبزی کے فوائد پڑھ کر اسے زیادہ نہ کھائیں، بل کہ اس کا استعمال اعتدال سے کریں اور اگر آپ کو کوئی خاص بیماری ہے تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کر کے کوئی بھی سبزی استعمال کریں۔

بڑا بول

ڈاکٹر الماس روحی۔ کراچی

ہر سال اپریل کے آخری ہفتے میں گاؤں راجن پور کے قریب ایک کھلے میدان میں تین دن میلہ لگتا تھا۔ آس پاس کے دیہات کے لوگ اس میلے کے انتظار میں گھڑیاں گنتے، ادھر میلے کی تاریخ سے ہفتوں پہلے تیاریاں شروع ہو جاتی تھیں۔ سب سے پہلے اونچی نیچی جگہوں کو ہموار کیا جاتا، غیر ضروری گھاس اور جھاڑیاں کاٹ کر زمین صاف ستھری کر دی جاتی۔ میدان کے بیچوں بیچ ایک بازار بنایا جاتا، جس میں آمنے سامنے دکانیں لگائی جاتیں، جن میں سے اکثر انواع و اقسام کے پھلوں، مٹھائیوں کی دکانیں ہوتیں۔ یہیں حلوائی کرم دین بھی اپنی دکان لگاتا اور اُسے خوب سجاتا۔ وہ اپنی دکان کے آگے تخت پر مال رکھتا، تاکہ راہ گیر وہ مال دیکھ کر اُسی سے خریدیں۔ اس میلے میں مٹھائی فروشوں، پان فروشوں، شربت بیچنے والوں کی دکانیں خوب خوب سجی ہوتیں۔ لوگ خوش خوش ان دکانوں پر آتے اور اپنی مرضی کی چیزیں خرید کر لے جاتے۔

بچوں کے لیے پُرکشش ریل نما جھولے لگتے تھے۔ کرم دین کا دوست رحمت علی بھی لکڑی کا اپنا سجا جھولا میلے میں لے آتا تھا۔ بچے باری باری اس کے جھولے میں بیٹھ کر خوب لطف اٹھاتے تھے۔ دیہات سے آنے والے مرد اور عورتیں رنگ برنگے کپڑے پہن کر آتے تھے۔ ان کے آنے سے رونق اور بڑھ جاتی تھی۔ اس میلے میں کبڈی، کشتیاں، مرغ بازی، نیزہ بازی اور اس قسم کے دیگر مقابلے ہوتے۔ حلوائی اور رحمت علی بھی اس میں اپنی اپنی قسمت آزماتے۔

شام کے وقت زیادہ تر میلہ دیکھنے والے دیہاتی کرم دین سے مٹھائیاں خریدتے۔ لوگ میلے میں ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوتے۔ چھوٹے بچے لوگوں کے بڑھتے ہجوم سے ہراساں ہوتے، کیوں کہ اکثر بچے میلے میں کھو جاتے، اس لیے مائیں اپنے بچوں کا خاص خیال رکھتی تھیں۔

کرم دین اور رحمت علی کی آمدنی سب سے زیادہ ہوتی تھی۔ اس دفعہ بھی کرم دین اور رحم علی کو یقین تھا کہ میلے میں وہ دونوں زیادہ کمائیں گے، اس لیے بڑھ چڑھ سب کے سامنے بول رہے تھے۔ غریب دیہاتی جن کی آمدنی کم ہوتی تھی، وہ پریشان تھے۔

پھر ہوا یوں کہ میلے کے آخری دن جب میلہ ختم ہو چکا تھا، لوگ اپنا سامان سمیٹ رہے تھے، راجن پور

کے دوسری طرف جہاں جنگل تھا، وہاں سے اچانک شریر بندروں کی ایک ٹولی اس میدان میں آئی اور اُنھوں نے ہڑبونگ مچادی۔ کرم دین ابھی اپنے پیسے رکھ رہا تھا کہ شریر بندر نے کرم دین کی پیسوں کی تھیلی اُچک لی اور جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ کرم دین بے چارہ چلاتا رہ گیا۔ ادھر رحمت علی کے ساتھ بھی یہی واقعہ ہوا۔ بندر نے رحمت علی کو کام میں مصروف دیکھ کر لکڑی کا چھوٹا صندوق، جو اُس کے پیسوں سے بھرا ہوا تھا، اٹھالیا، پھر سارے بندر جنگل کی طرف بھاگ گئے۔ رحمت علی پہلے چیخنے اور پھر رونے لگا۔

تمام دیہاتی حیران تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی بولا:

''یہ بڑے بول کا نتیجہ ہے۔'' دوسرے دیہاتی نے سر ہلا کر کہا:

''ہاں، انسان کو بڑا بول نہیں بولنا چاہیے، کیوں کہ خدا تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

مشکل الفاظ/معنی:

بڑا بول (محاورہ): تکبر۔ غرور۔

اپریل: انگریزی سال کا چوتھا مہینا۔

ہموار: ایک جیسی۔

بیچوں بیچ: درمیان۔

راہ گیر: راستہ چلنے والے۔

فروش: بیچنے والے۔

ہجوم: بھیڑ۔

ہراساں: حیران۔

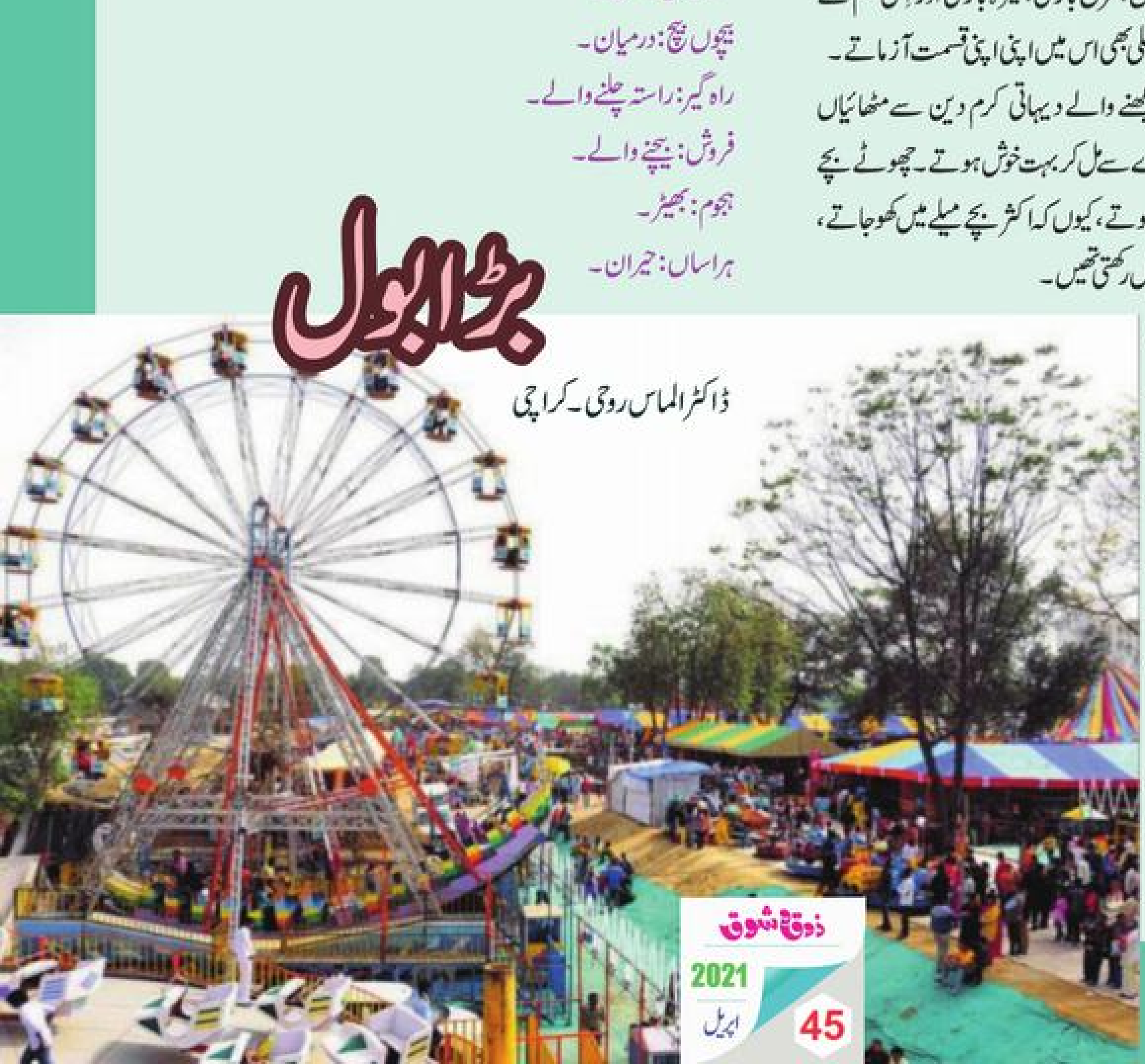

خوش خبری

مقابلۂ خوش خطی ۵

طلبا و طالبات کے لیے انعامات جیتنے کے مواقع

بارہ مہینے بارہ انعامات

انعامات:

اول آنے پر 1000 روپے / دوم آنے پر 700 روپے

سوم آنے پر 500 روپے

مقابلے میں شریک ہونے کے لیے مندرجہ ذیل فن پارے کو لکھیے۔ جو قاری اس فن پارے کو عمدہ انداز میں لکھنے میں کام یاب ہوگیا، وہ انعام کا حق دار ہوگا۔

تو پھر دیر کس بات کی! اٹھایئے کاغذ اور قلم، کیجیے مشق......اور ہمیں جلد از جلد ارسال کر دیجیے۔

مقابلے سے متعلق ضروری ہدایات:

☆ کمپیوٹر پیپر (A-4 سائز) صفحہ استعمال کیجیے۔

☆ فن پارے کو لکھنے کے لیے فونٹین پین، پنسل، کٹا ہوا پین اور کٹا ہوا مار کر استعمال کر سکتے ہیں۔

☆ کالی اور نیلی روشنائی استعمال کیجیے، کوئی اور رنگ بالکل استعمال نہ کیجیے۔

☆ صفحے کے چاروں جانب سے تقریباً ایک ایک انچ کا فاصلہ رکھ کر نمونہ تحریر کیجیے۔

زیرِ انتظام

شعبہ خوش خطی، البدر ہائر سیکنڈری اسکول

اللہ اکبر

نوٹ: فن پارہ ۳۰، اپریل، ۲۰۲۱ء تک ہمیں موصول ہو جانا چاہیے۔ ایک فن پارہ ایک طالب علم کی طرف سے قبول کیا جائے گا۔ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا، جس پر اعتراض قابل قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد وصول ہونے والے فن پارے مقابلے میں شریک نہیں کیے جا سکیں گے۔

موت کا پھندا

الطاف حسین۔ کراچی

سیاہ رنگ کی ٹویوٹا کرولا کار تقریباً ایک گھنٹے سے شہر کی مختلف سڑکوں پر گشت کرتی پھر رہی تھی۔ نہ جانے اس کے دونوں سواروں کا مقصد کیا تھا! آخر ایک سڑک کا موڑ مڑتے ہی کار ایک جھٹکے سے رُک گئی۔

''جابر! واپس نہ چلیں؟'' کار چلانے والے نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟'' جابر نے جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کر دیا۔

''ایک گھنٹا ہو گیا ہے ہمیں آوارہ گردی کرتے ہوئے۔ شکار ہے کہ ہاتھ میں آنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔'' کار چلانے والے کے لہجے میں بے زاری کی جھلک نمایاں تھی۔

''جیرے!'' جابر نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ باس کو ناکامی بالکل پسند نہیں اور نہ ہی ناکام لوگ اسے اچھے لگتے ہیں۔ اگر تمھیں اپنی زندگی سے دل چسپی نہیں رہی تو شوق سے واپس جا سکتے ہو، لیکن میں تو شکار کیے بغیر ہرگز واپس نہیں جاؤں گا۔''

''یار! زندگی سے کسے دل چسپی نہیں ہوتی، ہر کوئی زندہ رہنا چاہتا ہے، لیکن مجھے اس وقت سخت تھکن محسوس ہو رہی ہے۔'' جیرے بولا۔

''تو آؤ، کسی اچھے سے ہوٹل میں چل کر گرم گرم چائے پیتے ہیں، تمھاری ساری تھکن دور ہو جائے گی۔'' جابر نے آفر کی۔

''جیسے تمھاری مرضی۔'' جیرے نے کہا اور ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھا دی۔

☆......

گرم گرم چائے سے لطف اندوز ہونے کے بعد وہ دونوں دوبارہ کار میں آبیٹھے۔

''جابر! اب کس طرف چلیں؟'' جیرا بولا۔

''جہاں تک ہوا چلے!'' جابر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مذاق مت کرو یار! جگہ کا نام لو۔'' جیرا، کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

''گولڈن اسٹریٹ۔'' جابر نے مختصر سا جواب دیا اور جیرے نے کار کو موڑ لیا اور اب اس کا رُخ گولڈن اسٹریٹ کی طرف تھا۔

''جیرے! وہ دیکھو!'' جابر خوشی سے بھرپور انداز میں بولا، ساتھ ہی اس نے انگلی سے ایک جانب اشارہ بھی کر دیا۔ جیرا اُس کے اشارے کی سمت دیکھتے ہی بات سمجھ گیا، اس نے فوراً کار کی رفتار انتہائی کم کر دی۔ اب کار آہستہ آہستہ گولڈن اسٹریٹ کی فٹ پاتھ پر چلتے ایک لڑکے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''بیٹا! سنیے۔'' جیرے نے کار لڑکے کے قریب روکتے ہوئے اسے آواز دی۔

''جی فرمائیے۔'' لڑکے نے ان دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ ہمیں یہ پتا سمجھا سکتے ہیں؟'' جیرے کے بجائے جابر نے جلدی سے کوٹ کی جیب سے ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر لڑکے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

لڑکا کارڈ جابر کے ہاتھ سے لے کر اُسے دیکھنے لگا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب جابر نے پھرتی سے کار کا دروازہ کھولا اور لڑکے کو فوراً اندر کھینچ لیا۔

بب...... بب...... بچاؤؤؤؤؤ'' لڑکا مزاحمت کرتے ہوئے چیخا۔

''دوڑو، پکڑو، جانے نہ پائیں!'' اچانک بیک وقت کئی آوازیں اُبھریں اور ساتھ ہی دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

''جیرے! نکل چلو۔'' جابر نے کلوروفارم میں بھیگا رومال لڑکے کی ناک پر رکھتے ہوئے کہا۔ لڑکے نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ جابر کے مضبوط بازوؤں کی گرفت سے نکلنے میں کام یاب نہ ہو سکا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔

جیرے نے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا اور کار ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ دو موٹر سائیکل سواروں نے ان کا تعاقب کرنے کی کوشش کی، لیکن جیرے نے کافی ہوشیاری سے انھیں چکمہ دے کر کار کو اصل راستے پر ڈال دیا۔

☆......

دروازے پر دستک ہوئی۔ ساجد کی امی نے دروازہ کھولا۔ سامنے بلال اور سعد کھڑے تھے۔

''السلام علیکم خالہ جان!'' بلال نے سلام کرتے ہوئے پوچھا: ''ساجد بھائی گھر پر ہیں؟''

''بیٹا! وہ میڈیکل اسٹور تک گیا ہے، تھوڑی دیر میں آجائے گا۔ آؤ، تم دونوں بیٹھک میں بیٹھ جاؤ۔'' ساجد کی امی نے کہا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ دونوں گھر میں داخل ہوتے کچھ لوگ اور

وہاں آ گئے۔

☆......☆......

ٹویوٹا کرولا ایک بڑی سی عمارت کے مرکزی دروازے کے سامنے رُک گئی۔ دروازہ خود کار سسٹم کے تحت کھلا اور کار کے اندر داخل ہوتے ہی بند ہو گیا۔

''چلو، اسے اُٹھا کر بلیو روم میں لے چلتے ہیں۔'' جیرے نے کار سے باہر آ کر جابر سے کہا۔ جابر نے بے ہوش لڑکے کو کھینچ کر کار سے باہر نکالا اور پھر کندھے پر لاد کر بلیو روم کی طرف بڑھنے لگا۔

بلیو روم کے دروازے کے سامنے رُک کر جیرے نے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔

''آ جاؤ۔'' دروازے کے دائیں طرف لگے چھوٹے سے اسپیکر سے ایک رعب دار آواز سنائی دی اور اگلے لمحے دروازہ خود کار سسٹم کے تحت کھل گیا۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ اندر بڑی سی گول میز کے پیچھے ایک تھری پیس سوٹ میں ملبوس مکروہ شکل شخص بیٹھا تھا۔ جابر نے فرش پر بچھے قالین پر لڑکے کو لٹا دیا۔

''کوئی مشکل تو نہیں پیش آئی تمھیں؟'' باس کے لب ہلے۔ جواب میں جابر نے ساری صورتِ حال باس کو بتا دی۔

''ویری گڈ! لیکن مجھے خدشہ ہے کہ تعاقب کرنے والے موٹر سائیکل سواروں میں سے کسی نے تمھاری گاڑی کا نمبر ضرور نوٹ کر لیا ہوگا۔'' باس نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ''اب اس کار کا رنگ اور نمبر، دونوں تبدیل کر دو۔''

''او کے باس!'' جابر مؤدبانہ انداز میں بولا۔

''شکار کو کمرا نمبر تین میں پہنچا دو۔'' باس نے کہا اور جابر لڑکے کو کندھے پر اُٹھا کر جیرے کے ساتھ بلیو روم سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......

چند لمحوں تک دونوں طرف سے کسی نے بھی کوئی بات نہیں کی۔

''عائشہ باجی! مجھے افسوس کے ساتھ آپ کو یہ اطلاع دینا پڑ رہی ہے کہ آپ کے بیٹے ساجد کو کچھ کار سوار اغوا کر کے لے گئے ہیں!'' چند لمحوں بعد آنے والے لوگوں میں سے ایک آدمی نے ساجد کی امی کو پردے کے پیچھے سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ یہ شخص ان کا پڑوسی تھا۔

''کیا!!!'' ساجد کی امی کے منہ سے چیخ سی نکلی۔

''سعد!'' بلال نے سعد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تم خالہ جان کو تسلی دو۔ میں ان لوگوں سے کچھ ضروری باتیں کر کے آتا ہوں۔''

''کار کا رنگ کیسا تھا؟'' بلال نے پوچھا۔

''وہ سیاہ رنگ کی ٹویوٹا کرولا کار تھی۔'' ایک شخص نے جواب دیا۔

''آپ میں سے کسی کو کار کا نمبر تو یاد ہوگا؟'' بلال نے اگلا سوال کیا۔

''KG-5999'' ایک موٹر سائیکل سوار نے جواب دیا، جو اُن لوگوں کے درمیان موجود تھا۔

''آپ میں سے کسی نے کار سواروں کی شکلیں دیکھی تھیں؟'' بلال نے نیا سوال کیا۔

''میں نے ایک کار سوار کی شکل دیکھی تھی۔ اس کے بال گھنگھریالے تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی اور باہر کو اُبلی ہوئی تھیں، جب کہ اس کے دائیں گال پر بڑا سا زخم کا نشان تھا اور ناک کے داہنے نتھنے پر موٹا سا تل واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔'' ایک آدمی نے جواب دیا۔

''کیا واقعی ان میں سے ایک کا حلیہ ایسا ہی تھا۔ جیسا آپ نے بیان کیا ہے؟'' بلال نے اس آدمی سے پوچھا۔

''جی ہاں، کیوں کہ جس وقت کار ساجد کے قریب کھڑی تھی اس وقت میں کار کے قریب سے گزر رہا تھا اور یہ حلیہ اس آدمی کا ہے جو کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔'' اس آدمی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کا کیا نام ہے؟'' بلال نے اس آدمی سے پوچھا۔

’’عبدالحمید۔‘‘ اس آدمی نے اپنا نام بتایا۔

’’عبدالحمید صاحب! آپ مجھے اپنا موبائل نمبر دے دیں، تاکہ اگر پولیس، گواہ طلب کرے تو ہمیں آپ کو مطلع کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔‘‘ بلال بولا۔

عبدالحمید نے اپنا نمبر بتایا اور بلال نے اس کا نام اور موبائل نمبر اپنے موبائل میں محفوظ کر لیا۔

......☆......

جیرے نے کمرا نمبر تین کا تالا کھولا اور جابر نے ساجد کو کندھے سے اتار کر فرش پر لٹا دیا اور اُس کے بعد دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد ایک بدشکل آدمی اندر داخل ہوا اور اُس نے دروازے کی دائیں جانب رکھے گھڑے سے گلاس میں پانی انڈیلا اور ساجد کے چہرے پر چھڑکا۔ چند منٹ تک پانی چھڑکنے کے بعد ساجد کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی، اس کی آنکھوں کے پپوٹے تھرتھرائے اور آہستہ آہستہ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ بدشکل آدمی کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ گھبرائے ہوئے انداز میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

’’کون ہو تم؟ اور میں کہاں ہوں؟‘‘ ساجد نے دائیں بائیں دیکھنے کے بعد بدشکل آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’خاموش ش ش!‘‘ بدشکل آدمی نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا۔’’یہاں بولنے والوں کی زبان کاٹ دی جاتی ہے۔‘‘

اس سے پہلے کہ ساجد کچھ کہتا بدشکل آدمی نے جیب سے ایک سیاہ رنگ کی پٹی نکالی اور اُس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں پر باندھ دی اور اُسے کھڑا کرنے کے بعد اُس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر کمرا نمبر تین سے باہر نکل آیا۔ اب اس کا رُخ ایک اور کمرے کی طرف تھا۔ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر بدشکل آدمی نے لات مار کر دروازہ کھولا اور ساجد کو لیے اندر داخل ہو گیا۔ ساجد کو چھوڑ کر اُس نے فرش پر بچھا چھوٹا سا قالین اُلٹ دیا۔ نیچے ایک تختہ تھا، جس کے ایک کونے پر سُرخ اور کالے رنگ کے دو بٹن لگے ہوئے تھے اس نے سُرخ بٹن دبایا تو سرر کی آواز کے ساتھ تختہ مکمل طور پر ایک طرف سرک گیا اور نیچے سیڑھیاں جاتی دکھائی دینے لگیں۔ وہ ساجد کو بازو سے پکڑ کر آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتا ہوا نچلے حصے میں آ گیا۔ ساجد کی آنکھوں سے پٹی اتارنے کے بعد اُس نے اسے ایک کمرے کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا۔ چند لمحوں بعد وہی سرر کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ ساجد نے اوپر دیکھا تو سیڑھیوں کے اختتام پر تختہ دکھائی دیا۔ وہ کافی دیر تک حیران پریشان کھڑا رہا۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس دروازے کی طرف بڑھا جس کی طرف بدشکل آدمی جانے کا اشارہ کر کے گیا تھا۔ دروازہ کھولتے ہی جوں ہی ساجد نے اندر دیکھا اس کے چہرے پر حیرت کے کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔

......☆......

بلال لوگوں کے جانے کے بعد واپس اندر آیا۔ بیٹھک میں سعد اور ساجد کی امی بیٹھے ہوئے تھے۔

’’بلال بیٹے! اب کیا ہوگا؟‘‘ ساجد کی امی افسردہ لہجے میں بولیں۔

’’خالہ جان! آپ پریشان نہ ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔‘‘ بلال بولا۔

’’ہمیں خالو جان کو اس واقعے کی اطلاع دینی چاہیے۔ ان کے گھر آنے کے بعد ہم تینوں پولیس اسٹیشن جا کر ساجد بھائی کے اغوا کی ’’ایف۔ آئی۔ آر‘‘ درج کرائیں گے۔‘‘ سعد نے کہا۔

’’ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔‘‘ بلال جیب سے موبائل نکالتے ہوئے بولا، پھر اُس کے بعد اس نے ساجد کے ابا جان کا نمبر ملا کر انھیں اس واقعے کی اطلاع دے دی۔

’’خالو جان کہہ رہے ہیں کہ وہ آدھے گھنٹے میں گھر پہنچ جائیں گے۔ ہم ان کے آنے کا انتظار کریں۔‘‘ بلال نے فون جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

’’ہائے! پتا نہیں میرا لعل کہاں ہوگا؟ کس حال میں ہوگا؟‘‘ ساجد کی امی روتے ہوئے بولیں۔

’’خالہ جان! آپ پریشان نہ ہوں۔ صبر کیجیے اور دُعا کیجیے۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔‘‘ سعد انھیں تسلی دیتے ہوئے بولا۔

’’بیٹا! تمھارا دِل کیا کہتا ہے؟‘‘ ساجد کی امی نے بلال کی طرف استفساریہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

’’خالہ جان! جہاں تک میرا خیال ہے یہ کسی منظم گروہ کا کام ہے۔‘‘ بلال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

’’میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس گروہ کے کارندے شہر بھر میں موجود ہیں، کسی بھی وقت، کسی بھی جگہ مزید واردات ہو سکتی ہے۔ پولیس کو تو ہم اطلاع دے دیں گے، لیکن ہمیں خود بھی اِدھر اُدھر گھوم پھر کر مشتبہ لوگوں پر نظر رکھنی ہوگی۔‘‘ سعد بولا۔

’’تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس طریقے سے ہم ان لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں جو ساجد کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ تم اپنی موٹر سائیکل تیار رکھنا،

تا کہ ضرورت پڑنے پر تعاقب کیا جا سکے۔'' بلال نے کہا۔

☆......☆

ساجد نے دیکھا، اندر بہت سے لڑکے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے چند اُس کے ہم عمر، جب کہ دیگر عمر میں اس سے بڑے تھے۔ ایک بات سب میں مشترک تھی کہ سب کے جسم صحت مند نظر آ رہے تھے۔ ساجد آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُن کے قریب جا بیٹھا۔

''آپ لوگ یہاں کیسے پہنچے؟ یہ کون لوگ ہیں؟ اور ہم سے کیا چاہتے ہیں؟'' ساجد نے سب کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جس طرح تم یہاں پہنچے ہو ہم سب بھی اسی طریقے سے یہاں پہنچائے گئے ہیں۔'' ایک لڑکا بولا۔ ''یہ کون لوگ ہیں؟ اور ہمیں اغوا کر کے یہاں کیوں لائے ہیں؟ یہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔''

ساجد نے انھیں شمار کیا تو اُن کی تعداد اُسے ملا کر اڑتالیس تھی۔ اس نے ہر لڑکے سے مختصر انٹرویو لیا تو یہ حقائق سامنے آئے کہ ان لڑکوں کا تعلق شہر کے مختلف علاقوں سے تھا۔ کسی کو یہاں آئے دو دن ہوئے تھے، کسی کو تین، چار، پانچ، چھے، اور کسی کو یہاں آئے ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ اُنھیں تین وقت کا کھانا پابندی سے دیا جا رہا تھا۔

☆......☆

ساجد کے ابا جان، بلال اور سعد اس وقت اپنے علاقے کے پولیس اسٹیشن میں موجود تھے۔ ساجد کے ابا جان نے اپنا تعارف کرانے کے بعد پولیس انسپکٹر شیر علی کو وہ ساری بات بتا دی جو بلال نے انھیں بتائی تھی۔

''ماجد صاحب! آپ کے بیٹے سمیت اب تک شہر کے مختلف تھانوں کی حدود سے اڑتالیس لڑکے اغوا ہو چکے ہیں۔'' انسپکٹر شیر علی بولے۔ ''ہماری اطلاعات کے مطابق خاص بات یہ ہے کہ اغوا کاروں نے ابھی تک ایک لڑکے کے گھر والوں کو بھی فون نہیں کیا۔''

''انسپکٹر صاحب! پھر تو یہ بات خاصی تشویش ناک ہے۔'' ماجد صاحب نے کہا۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔ اغوا کاروں نے تاوان وصول کرنے کی غرض سے لڑکوں کو اِغوا نہیں کیا، ان کا اصل مقصد کچھ اور ہے۔'' انسپکٹر شیر علی بولے، پھر اُنھوں نے فوری طور پر ہیڈ محرر کو اپنے دفتر بُلایا اور ساجد کے ابا جان کو ''ایف۔ آئی۔ آر'' لکھوانے کا کہا۔

''ٹرررررن......ٹرررررن......ٹرررررن......'' ساجد کے ابا جان نے جوں ہی ''ایف۔ آئی۔ آر'' مکمل کرائی عین اسی لمحے میز پر رکھے فون کی گھنٹی بجی۔

''السلام علیکم! انسپکٹر شیر علی بات کر رہا ہوں۔'' انسپکٹر شیر علی نے ریسیور اُٹھا کر کہا۔

''وعلیکم السلام انسپکٹر صاحب! میرا نام علی احمد ہے۔ ابھی ابھی ایک سیاہ رنگ کی ٹویوٹا کرولا کار میں سوار دو آدمی ایک لڑکے کو اِغوا کر کے لے گئے ہیں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''کار کا نمبر اور اُس کے سواروں کا حلیہ یاد ہے آپ کو؟'' انسپکٹر شیر علی نے پوچھا۔

''جناب یہ واقعہ اس قدر تیزی سے ہوا کہ میں سواروں کی تعداد اور کار کا رنگ ہی دیکھ سکا۔'' دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔

''ہمیں آج صبح بھی گولڈن اسٹریٹ پر ہونے والے اسی قسم کے واقعے کی اطلاع ملی ہے۔ بہر حال، اطلاع دینے کا شکریہ۔'' انسپکٹر شیر علی بولے۔

''کوئی بات نہیں سر! ویسے بھی یہ ہر ذمے دار شہری کا فرض ہے کہ وہ کوئی بھی ایسا واقعہ دیکھے تو اُس کی اطلاع فوراً پولیس کو دے۔ ہم اور آپ مل کر ہی جرائم کو ختم کر سکتے ہیں۔'' دوسری طرف سے عاجزانہ لہجے میں کہا گیا۔

''علی احمد صاحب! میں آپ کے جذبے کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شہری کو آپ جیسا جذبہ عطا فرمائے۔'' انسپکٹر شیر علی نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ ان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اس وقت کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

''جناب! کیا ہوا؟'' ماجد صاحب نے پوچھا۔

''ایک اور لڑکا اغوا ہو گیا ہے!'' انسپکٹر شیر علی بولے۔

☆......☆

''ٹن ن......ٹن ن......''

گھڑی نے جوں ہی دن کے دو بجنے کا اعلان کیا ایک موٹا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ تمام لڑکے اسے دیکھتے ہی اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''تم لوگوں کی مہمان نوازی کرتے کافی دن ہو گئے ہیں۔'' موٹا آدمی ایک ایک لڑکے کو بغور دیکھتے ہوئے خوف ناک لہجے میں بولا۔ ''تم لوگ ضرور یہ سوچ رہے ہو گے کہ تمھیں یہاں کیوں لایا گیا ہے؟ ابھی تھوڑی دیر میں تم سب کو اس سوال کا جواب مل جائے گا۔''

اس کے بعد اُس نے لڑکوں کو چار چار کی ٹولیوں میں تقسیم کیا اور ایک ایک ٹولی کو ہال میں موجود اُسی کمرے میں بھیجنا شروع کیا جس سے وہ ہال کے اندر آیا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ لڑکوں کی جو ٹولی بھی اندر جاتی تھی وہ واپس نہیں آتی تھی۔ اس بات نے ساجد کو ذہنی طور پر سخت پریشان کر رکھا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ساجد کی ٹولی کی باری آئی۔ وہ بھی تین لڑکوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اگلے لمحے اس نے جو منظر دیکھا وہ اس کے ہوش اُڑا دینے کے لیے کافی تھا۔

☆......

''انسپکٹر صاحب! ساجد کا کچھ پتا چلا؟'' بلال نے انسپکٹر شیر علی سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ اس کے لہجے میں فکر مندی کی جھلک تھی۔

''بیٹا! پولیس سرگرمی سے مجرموں کی تلاش میں مصروف ہے۔ چار مشکوک جگہوں پر چھاپے بھی مارے گئے ہیں اور ایک اور جگہ چھاپا مارنے کے لیے تھوڑی دیر میں ٹیم روانہ کی جائے گی۔'' انسپکٹر شیر علی بولے۔

''جناب! میں اور بلال ''ایف۔ آئی۔ آر'' درج کرانے کے بعد شہر میں کئی جگہوں پر گھومتے رہے ہیں، لیکن ہمیں وہ سیاہ رنگ کی ٹویوٹا کرولا کہیں دکھائی نہیں دی۔'' سعد نے کہا۔ ''ہم نے سوچا تھا کہ جوں ہی ہمیں مطلوبہ کار نظر آئے گی ہم غیر محسوس طریقے سے اس کا تعاقب کر کے مجرموں کے اڈے تک رسائی حاصل کر کے آپ کو فوری طور پر اطلاع دیں گے۔''

''مجھے آپ جیسے بہادر بچے بہت پسند ہیں۔'' انسپکٹر شیر علی دونوں کی طرف تعریف بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ ''ہم بھی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ دونوں بھی کوشش جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ضرور کام یابی عطا فرمائے گا۔''

''ان شاء اللہ!'' دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

☆......

ساجد نے دیکھا، اس سے پہلے اندر داخل ہونے والے تمام لڑکے فرش پر بے حال پڑے تھے، جب کہ چار بستروں پر لڑکے لیٹے ہوئے تھے اور اُن کے جسم کا خون مخصوص طریقے سے خون کی بوتلوں میں منتقل کیا جا رہا تھا۔ ان کے جسم سے خون نکالنے کے بعد اندر موجود چار ہٹے کٹے آدمیوں نے ساجد سمیت دیگر تین لڑکوں کو پکڑ کر خالی بستروں پر لٹا دیا۔ لیب کوٹ میں ملبوس چار آدمیوں نے ان کے ہاتھوں کی نسوں میں سرنجیں پیوست کر دیں اور اگلے لمحے ان کے جسموں سے بھی خون کشید کیا جانے لگا۔ چاروں لڑکوں کے جسم سے دو، دو بوتل خون نکالنے کے بعد انھیں نہایت بے دردی سے اٹھا کر فرش پر پھینک دیا گیا۔

ساجد کو چکر آ رہے تھے اور آہستہ آہستہ اس پر غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔

☆......

آج ساجد کو اغوا ہوئے سات دن گزر چکے تھے اور اس دوران میں شہر کے مختلف علاقوں سے مزید ساٹھ لڑکے اغوا ہو چکے تھے۔ انھیں شہر کے مختلف علاقوں سے مختلف رنگ اور ماڈلز کی کاروں میں اغوا کیا گیا تھا۔ پولیس سرگرمی سے مجرموں کو تلاش کرتی پھر رہی تھی، لیکن ابھی تک اسے کوئی کام یابی نہیں ہوئی تھی۔ ادھر بلال اور سعد بھی خاموش نہیں بیٹھے تھے۔ انھوں نے بھی ساجد کی تلاش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، لیکن مجرم اتنے شاطر تھے کہ کسی کے ہاتھ نہیں آ رہے تھے۔

اس وقت وہ دونوں گولڈن اسٹریٹ پر واقع ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

''بلال!'' سعد نے بلال کو مخاطب کرتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔ ''وہ دیکھو۔''

بلال نے سعد کے اشارے کی سمت دیکھا تو اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ان میں سے ایک کا حلیہ تو ویسا ہی ہے جیسا ساجد کو اغوا کرنے والوں کا بتا گیا تھا۔'' بلال نے سرگوشی کی۔

''ہاں ہاں، بالکل! ایک آدمی تو وہی ہے۔'' سعد نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

اچانک وہ دونوں آدمی اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف بڑھے۔ ایک نے بل دیا اور پھر وہ دونوں ریسٹورنٹ کے مرکزی دروازے کے باہر کھڑے ہو گئے۔ بلال اور سعد بھی فوری طور پر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بلال نے بل ادا کیا اور وہ دونوں بھی آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مرکزی دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ دونوں مجرم ابھی تک وہیں کھڑے باتوں میں مصروف تھے۔ بلال اور سعد اُن کے قریب سے گزر کر باہر پارکنگ میں آ گئے۔

''بلال! تم فٹ پاتھ پر کھڑے ہو جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تمھیں شکار کرنے کی کوشش کریں گے۔'' سعد بولا۔

''ٹھیک ہے۔'' بلال نے کہا اور تیز تیز چلتا ہوا فٹ پاتھ پر آ کھڑا ہوا۔ اُدھر سعد موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے تعاقب کے لیے تیار تھا۔

☆......

وہ دائیں ہاتھ میں بریف کیس اٹھائے ''بلڈ بینک'' کے ایڈمنسٹریشن

آفس میں داخل ہوا۔

’’آیئے آیئے، ساقی صاحب!‘‘ ایڈمن انچارج اسے دیکھتے ہی اپنی سیٹ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

’’صنوبر! آج میں ایسا مال لایا ہوں جسے دیکھتے ہی تمھاری طبیعت خوش ہوجائے گی!‘‘ ساقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’کیا واقعی؟‘‘ صنوبر حیرت بھرے انداز میں بولا۔

’’ہاں جی! آج میرا پورا بریف کیس ’’او‘‘ نگیٹیو سے بھرا ہوا ہے۔‘‘ ساقی نے اپنا بریف کیس صنوبر کی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

نے وہی مال دیا۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر رقم کا بندوبست کریں، مجھے ایک اور جگہ بھی پہنچنا ہے۔‘‘ ساقی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

’’فکر نہ کریں، رقم کا بندوبست بھی ہوجائے گا۔ ہم جب تک چائے کا ایک ایک کپ پی لیتے ہیں۔‘‘ صنوبر نے کہا اور فون پر چائے کا آرڈر دے دیا۔

......☆......

’’بیٹا! تمھیں کہاں جانا ہے؟‘‘ سیاہ رنگ کی ٹویوٹا کرولا بلال کے قریب رُکی اور پچھلی سیٹ پر بیٹھے جابر نے اس سے پوچھا۔

’’مجھے حسن چورنگی تک جانا ہے۔‘‘ بلال بولا۔

’’کیا کہہ رہے ہیں آپ!؟‘‘ صنوبر نے حیرت بھرے انداز میں ساقی کی طرف دیکھا۔

’’ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب!‘‘ ساقی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اگلے لمحے اس نے بریف کیس کھول دیا۔

’’یقین نہیں آرہا!‘‘ صنوبر خون کی ایک ایک تھیلی کو بغور دیکھتے ہوئے حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

’’لیکن یقین کرنا ہی پڑے گا، کیوں کہ آج تک آپ نے جو کہا ہم

’’ہم بھی اسی طرف جارہے ہیں۔ آجاؤ، ہم تمھیں وہاں اتار دیں گے۔‘‘ جابر نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا اور بلال اس کے برابر بیٹھ گیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔ سعد نہایت ہوشیاری سے ان کے پیچھے آرہا تھا۔

’’بس جناب! یہاں گاڑی روک دیں۔‘‘ بلال نے حسن چورنگی کا سگنل دیکھتے ہی کہا۔

’’تم یہاں نہیں اترو گے۔ جہاں ہم چاہیں گے اب تم وہیں اترو گے۔‘‘

جابر کرخت لہجے میں بولا۔

’’میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔‘‘ بلال نے حیرت بھرے انداز میں کہا۔

’’تھوڑا صبر کرو بچے! مطلب خود بخود سمجھ آجائے گا۔‘‘ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے جیرے نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بلال کی طرف دیکھا۔

’’اگر تم لوگ گاڑی نہیں روکو گے تو میں شور مچادوں گا۔‘‘ بلال نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔

’’یہ دروازہ میرے اشارے پر کھلتا ہے، اس لیے تمھارے لیے بہتر یہی ہے کہ خاموش بیٹھے رہو۔‘‘ جیرا دوبارہ بلال کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

’’تم لوگ جو کر رہے ہو یہ ٹھیک نہیں کر رہے۔‘‘ بلال نے کہا۔

’’میں نے کہا ہے کہ خاموشی سے بیٹھے رہو۔‘‘ جابر اپنی بغلی جیب سے پستول نکال کر اُس کی نال بلال کے پہلو سے لگاتے ہوئے انتہائی کرخت لہجے میں بولا۔

’’اب اگر تم نے چونچ کھولی تو میں تمھیں گولی ماردوں گا۔‘‘

کار میں خاموشی چھاگئی۔ ادھر سعد نہایت ہوشیاری سے ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ کار مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی ایک بڑی سی عمارت کے سامنے رک گئی اور سعد اُن سے کافی فاصلے پر رُک گیا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے کار عمارت کے اندر چلی گئی۔ سعد نے موٹر سائیکل آگے بڑھائی اور عمارت کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے رفتار انتہائی کم کردی اور عمارت کے مرکزی دروازے کے دائیں طرف لگی نیم پلیٹ کو غور سے دیکھا۔

’’سیٹھ شیراز جمیل!‘‘ سعد نے حیرت سے بڑبڑاتے ہوئے فوری طور پر موٹر سائیکل موڑی اور پھر اُس نے موٹر سائیکل کی رفتار خاصی تیز کردی۔ وہ جلد از جلد پولیس اسٹیشن پہنچنا چاہتا تھا۔

......☆......

انسپکٹر شیر علی فائل پر جھکے ہوئے تھے۔

’’السلام علیکم سر! کیا میں اندر آسکتا ہوں؟‘‘ سعد نے کہا۔ اس کے چہرہ جوش کی شدت سے تمتمارہا تھا۔

’’آجاؤ بیٹا!‘‘ وہ سعد کو بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

’’سر! سمجھیں مجرم آپ کی مٹھی میں ہیں۔‘‘ سعد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد اُس نے انھیں ساری روداد مختصر طور پر سنادی۔

’’آؤ میرے ساتھ۔‘‘ وہ کیپ اٹھاتے ہوئے بولے۔

اگلے چند منٹ بعد اُن کی جیپ اور چار گاڑیوں میں موجود بھاری نفری، سعد کی موٹر سائیکل کے پیچھے پیچھے سیٹھ شیراز جمیل کی رہائش گاہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

......☆......

ٹھیک ایک گھنٹے بعد سیٹھ شیراز جمیل اور اُس کے کارندے پولیس کی حراست میں تھے۔ پولیس نے موقع پر ’’تھرڈ ڈگری حربہ‘‘ استعمال کرکے بچوں کو برآمد کرلیا تھا۔ ساجد سمیت بہت سے بچوں کی حالت خاصی تشویش ناک تھی۔ انسپکٹر شیر علی نے فوری طور پر سرکاری ہسپتال فون کرکے ان بچوں کو بروقت ایمرجنسی وارڈ منتقل کروادیا۔ پولیس نے لاکھوں روپے کی کرنسی کے ساتھ ساتھ سو سے زائد خون کی بوتلیں بھی برآمد کرلیں، جو ان ظالم درندوں نے معصوم بچوں کے جسموں سے خون نچوڑ نچوڑ کر بھری تھیں۔ ہر بوتل پر خون کا گروپ درج تھا۔

شام کے اخبارات میں اس خوف ناک واقعے کی خبر جلی حروف میں شائع ہوئی اور مختلف ذرائع پر یہ خبر ’’بریکنگ نیوز‘‘ کے طور پر پیش کی گئی۔ انسپکٹر شیر علی، بلال، سعد اور ساجد کے ناموں کے ساتھ معاشرے کے ناسور سیٹھ شیراز جمیل اور اُس کے کارندوں کے نام بھی پیش کیے گئے۔ رپورٹ کے مطابق سیٹھ شیراز جمیل اور اُس کے درندہ صفت کارندوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت یہ گھناؤنا کاروبار شروع کر رکھا تھا۔ سیٹھ شیراز جمیل کے کارندے گاڑیوں میں شہر بھر میں گھوم پھر کر صحت مند بچوں کو مختلف طریقوں سے اغوا کرکے بنگلے پر پہنچاتے تھے، جہاں ان کے جسموں سے خون نکالا جاتا تھا، پھر یہ خون خفیہ طریقے سے شہر کے مختلف پرائیویٹ بلڈ بینکوں کو فروخت کیا جاتا تھا اور اس کے عوض بھاری رقوم حاصل کی جاتی تھیں۔

چند دِن کے اندر قانونی کارروائی مکمل کرلی گئی اور سیٹھ شیراز جمیل کو ’’بلیک وارنٹ‘‘ مل گیا۔ اسے موت کا پھندا سر پر لہراتا محسوس ہورہا تھا، جب کہ اس کے دیگر تمام کارندوں کو عمر قید اور بھاری جرمانے کی سزا سنائی گئی۔

دوسری طرف حکومت کی طرف سے بلال اور سعد کو اُن کے کارنامے کے اعتراف میں ایک ایک لاکھ روپے نقد انعام اور ’’تمغہ بہادری‘‘ دیا گیا۔

''سیرت کہانی'' اور ''جھوٹوں کے جھوٹے''، یہ سلسلے اچھے چل رہے ہیں۔

(بلال اظہر۔ کراچی)

شمارہ فروری بہت اچھا تھا۔ خاص طور پر ''بلاعنوان'' بہت ہی زبردست تھی۔

(مصباح اشفاق۔ کراچی)

فروری کا شمارہ زبردست تھا۔ ''پیغام الٰہی'' اور ''پیغام نبوی'' بھی بہت اچھے تھے۔ تمام کہانیاں بہت زبردست تھیں۔ (حفصہ قمر۔ کراچی)

آپ کا رسالہ ''ذوق وشوق'' بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ یہ رسالہ بہت معیاری ہے۔ اس میں ہمیشہ ہی معلوماتی کہانیاں، قصے اور نظمیں ہوتی ہیں۔

(نورالہدیٰ۔ سکھر)

سرورق خاص نہیں لگا۔ ''بلاعنوان'' بہت اچھی اور سبق آموز کہانی تھی۔

(فاروق۔ کراچی)

''سیرت کہانی'' سب سے اعلیٰ تھی۔ (حمزہ یامین۔ کراچی)

فروری کے شمارے میں ساری تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔

(عبیداللہ۔ کراچی)

ماہ فروری کا شمارہ ہاتھوں میں ہے۔ سرورق مناسب تھا۔ آپ کی ''علیک سلیک'' نے ماشاء اللہ! بہت اچھا سبق دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا

''بلاعنوان'' کہانی بہت پسند آئی۔ اس کے علاوہ تمام کہانیاں بہت پسند آئیں۔ نظموں نے تو مزہ ہی کرا دیا۔ خطوط بھی بہت پسند آئے۔

(حافظ شیراز۔ کراچی)

ماشاء اللہ! فروری کا شمارہ تو ہر لحاظ سے زبردست تھا۔ تمام خطوط اچھے لگے۔ غرض ہمیشہ کی طرح پورا شمارہ کمال کا تھا۔ (حفصہ طارق۔ کراچی)

فروری کے شمارے میں تمام تر تحریریں مختصر پُراثر کا رنگ دکھا رہی تھیں۔ ہر تحریر میں جان تھی۔ ''بلاعنوان'' نے تو بہت ہی متاثر کیا۔

(محمد اشرف ہارون۔ کراچی)

فروری کا شمارہ اچھا لگا۔ مدیر صاحب! میں پہلی مرتبہ خط لکھ رہا ہوں، اسے ضرور شائع کیجیے گا۔ (زید اویس۔ کراچی)

فروری کا شمارہ جیسے ہی ملا، فوراً پڑھ ڈالا۔ تمام کہانیاں بہت عمدہ تھیں۔ ''شکر پارے'' بہت زبردست تھے۔ پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔

(احمد شاہد۔ کراچی)

فروری کا رسالہ میرے سامنے ہے۔ ''علیک سلیک'' میں آپ نے اچھا پیغام دیا۔

(محمد احمد۔ کراچی)

خط جو آپ کا ملا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فرمائے۔ رسالے میں سب کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔

(عبدالرحمٰن شیخ۔ کراچی)

فروری کا شمارہ اپنے چمکتے دمکتے سرورق کے ساتھ میرے سامنے ہے۔ ''علیک سلیک'' میں ایک اچھا سبق تھا۔ ''سیرت کہانی'' ایک اچھا سلسلہ ہے۔ ''بلاعنوان'' ایک بہترین کہانی تھی۔ ''شکر پارے'' اچھے تھے۔

(محمد عمر رضا۔ کراچی)

فروری کا شمارہ ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا۔ ہر تحریر، نظم، کہانیاں بہت پسند آئیں۔ مجھے آپ کا رسالہ بہت پسند ہے۔

(اقرا نعیم۔ کراچی)

فروری کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔

(رضوان کریم۔ کراچی)

تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ خاص طور پر ''بلاعنوان'' بہت اچھی اور سبق آموز کہانی تھی۔ نظمیں پڑھ کر مزہ آیا۔

(محمد شاہد۔ سکھر)

KID'S

Collection shoes

New Arrivals
Now At Store

ذوق وشوق
میگزین ساتھ لانے
پر اسپیشل
10%
ڈسکاؤنٹ

اسکول شوز ہر سائز میں ۔۔۔ چھے ماہ کی گارنٹی کے ساتھ ۔۔۔

Shop No. 9, Star Centre, Near Chawla Centre,
Main Tariq Road Karachi. Ph: 021-34315359

NEW OPENING
HAND BAGS
20% OFF

She shoes

Shoes for ladies and kids

New Arrivals
Now At Store

10% OFF
ON ALL DISPLAY ITEMS
LIMITED TIME OFFER

SCHOOL SHOES & PT SHOES
AVAILABLE ONLY 790/=

FANCY CLUTCH
& WALLET

ذوق وشوق
میگزین ساتھ لانے
پر اسپیشل
10%
ڈسکاؤنٹ

Shop No. 14-15, Lavish Mall, Opp. Rabi center,
Main Tariq Road, Karachi. Tel.: 0213-4547778, 0213-34327331

کوپن برائے
بلاعنوان ۱۶۴

نام: ____________ ولدیت: ____________
مکمل پتا: ____________
فون نمبر: ____________

کوپن برائے
ذوقِ معلومات ۶۳

نام: ____________ ولدیت: ____________
مکمل پتا: ____________
فون نمبر: ____________

سوال آدھا جواب آدھا ۱۹

نام: ____________ ولدیت: ____________
مکمل پتا: ____________
فون نمبر: ____________

کوپن برائے
قرآن کوئز ۸

نام: ____________ ولدیت: ____________
مکمل پتا: ____________
فون نمبر: ____________

مقابلۂ خوش خطی ۷

نام: ____________ ولدیت: ____________
مکمل پتا: ____________
فون نمبر: ____________

ہدایات: جوابات ۳۰، اپریل، ۲۰۲۱ء تک ہمیں موصول ہو جانے چاہییں...... ☆ ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

پیارے بچوں کے لیے
پیاری کتابیں
سچی دوستی
جنت کا دروازہ
چہکتی چڑیا
مسکراہٹ نگر
نئی کہانی نیا انداز
آؤ دوڑ لگائیں
صرف ایک عمل
سنت کہانی
مکتبہ بیت العلم
فدا منزل، نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی۔
+92-312-3647578 ، +92-21-32726509
17 الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔
+92-321-4361131 ، +92-42-37112356
ای میل: mbikhi.pk@gmail.com، ویب سائٹ: www.mbi.com.pk

سلسلہ

تحفۃ الدعاء

دعا عظیم نعمت اور انمول تحفہ ہے، دعا اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس سے راز و نیاز کا ذریعہ ہے، دعا مایوسی میں امید کی کرن ہے، دعا کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام مسائل حل کرواسکتے ہیں، اس دنیا میں کوئی بھی انسان کسی بھی حال میں دعا سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

اسی فکر کے پیشِ نظر "مکتبہ بیت العلم" نے تحفۃ الدعا سیریز کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ! اس سیریز کے چھ حصے شائع ہوچکے ہیں۔

MaktabaBaitulilm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk